UNIVERSAL LIBRARY
OU_222609
UNIVERSAL LIBRARY

۴۸۶

روحِ نظم

(حصّۂ دوم)

اُردو شاعری کا بہترین انتخاب اور اُردو شعرا پر

ایک اجمالی تبصرہ

مُرتّبہ

مولینا تاجور نجیب آبادی ۔۔ پنڈت میلارام وفا

پتہ

دفتر انجمن "تعمیرِ ادب" مزنگ لاہور

افسانے

”درِ زندگی“

Checked 1966

درِ زندگی جناب احسان دانش کی اُن وجد آفریں نظموں کا حسین ترین مجموعہ ہے جنکو آج ملک کے ادبی حلقوں میں قدر و عزت اور حیرت و استعجاب کی نگاہوں سے سمجھا جاتا ہے۔ اور اردو انگریزی کے موقر اخبارات اور رسائل نے پرزور تبصرے کئے ہیں یہ وہ بیقرار نغمے ہیں جنکو اس نوجوان اور حساس شاعر کی روح نے صبح کی عنبریں ہواؤں شام کی زرپاش شفق، چاندنی کے سیمیں سیلاب بہار کی روح پرور شادابی، مزدوروں بیواؤں اور بیکسوں کی حالت زار کے درد انگیز مناظر سے متاثر ہو کر ایک نئے انداز میں الاپا ہے۔

اس رنگین مزاج اور فطرت کے پرستار کی ہر نظم صحیح معنوں میں تصویر کہلانے کی مستحق ہے۔ یہ مجموعہ اعلیٰ کاغذ کے ۳۶ صفحات پر طباعت و کتابت کی جملہ خوبیوں سے مزین ہے قیمت بلا جلد عا دو روپیہ مجلد دو روپیہ آٹھ آنے عام

پتہ

ذیشان بکڈپو مزنگ لاہور

حصّہ دوم

مثنویات

(۱)

ہو صرفِ شراب کاش ساقی ــ یہ شیشۂ عمر ہے جو باقی
ہے قابلِ سیرِ خرقہ پوشاں ــ دریا دلیِ شراب نوشاں
کتنے گئے صاحبِ کرامات ــ ہم بھی نہیں قابلِ خرابات
جو لوگ کہ اس جگہ سے اُٹھے ــ کب حلقۂ خانقہ سے اُٹھے
یاں پیتے ہیں جام بے خودی کا ــ ہے دَور تمام بیخودی کا
از خود شدن اک مقام ہیگا ــ وہ مرتبہ یاں مُدام ہیگا
بیخود ہو کہ یہ حجاب اُٹھے ــ دل یاں سے کہیں شتاب اُٹھے
پہنچے ہیں خدا کو بیخودی سے ــ پاتے ہیں خدا کو بیخودی سے
پی جرعہ و ہوش کو دُعا کہہ ــ ہر بادہ فروش کو دُعا کہہ

جو شمش میں ہے بادۂ کہن سال
عبرت ہو جسے خوش اس کا احوال

اب دل میں مرے بھی جوش آیا ــ اب وقتِ وداعِ ہوش آیا
مستی کی مجھے بھی خواہشیں ہیں ــ اس عقل سے دل کو کاہشیں ہیں
کھینچوں میں کہاں تلک دمِ سرد ــ ساقی وہ شراب شعلہ پروردہ
وہ داروئے دردِ بے حضوراں ــ وہ مایۂ نورِ چشمِ کوراں
سرمایۂ عمرِ جاودانی ــ یعنی وہی آبِ زندگانی
وہ جس سے غبارِ دل کا دھوؤں ــ مینا کے گلے سے مل کے رُوؤں

وہ موجبِ دل خوشی کہاں ہے — وہ دارُوئے بے ہُشی کہاں ہے
لا اس کو جو آستین جھاڑوں — پھر ہاتھ چلے تو جیب پھاڑوں
بے ہوشِ شرابِ ناب رہیئے — یوں تا بعجب اکباب رہیئے

ہے مستی بیخودی ضروری
کھل جائے مقام بے شعوری

دل غم سے بھرا ہے زور میرا — تا عرش گیا ہے شور میرا
ہے دل میں کہ گل کی آرزو ہو — شیشہ ہو بغل میں اور تو ہو
ہر گام پہ لغزشِ قدم ہو — تکلیفِ شراب دمبدم ہو
جب سجدہ کناں ہوں صبح خیزاں — جب کاکلِ صبح ہو پریشاں
جب نکلے ستارۂ سحرگہ — کر نعرۂ الصبوح یک رہ
ہے ذوقِ شرابِ صبح گاہی — بے لطف نہیں ہے روسیاہی
شیشہ مرے منہ کو تو لگا دے — کر ایسی نگاہ جو چھکا دے
جب بیخودی تمام آوئے[۱] — سر پر مرے ہوش روکے جاوئے[۱]
رخصت ہے تجھے کہ میں نہ ہونگا — بے ہوش و خرد ہی پھر رہونگا

جیتیا[۲] تو کرونگا شکر تیرا
ہو ورنہ قبول عذر میرا

کیا میر شراب تو نے پی ہے — بیہودہ یہ گفتگو جو کی ہے
تو کاہے کو اتنا ہرزہ گو تھا — کب در گردِ شراب تو تھا
بس مے سے زباں کو اب نہ تر کر — مستیٔ سخن پہ ٹک نظر کر

ہے نشۂ سامعہ دو بالا
پھر حرف نہ جائیگا سنبھالا

میر

---

[۱] متروک ہیں۔ آئے جائے بولتے ہیں ۔
[۲] متروک بمعنی ہوشیار رہو ۔

۲

بڑی خواہشوں سے جب آیا وہ روز — چڑھا بیاہنے وہ مہ شب فروز
محل سے نکل جب ہُوا وہ سوار — بجے شادیانے بہم ایک بار
کوئی دوڑ گھوڑے کو لانے لگا — کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا
سپر اور قبضے کھڑکنے لگے — سواروں کے گھوڑے بھڑکنے لگے
ٹکورے وہ نوبت کے اور اُنکے بعد — گرجنا وہ دھونسوں کا مانند رعد
وہ رستہ جو روشن چراغاں ہُوئے — پتنگے خوشی سے غزلخواں ہُوئے
براتی اِدھر اور اُدھر جوق جوق — وہ آوازِ سرنا وہ آوازِ بوق
وہ ابرک کی ٹٹی وہ بینے کے جھاڑ — کہے تو کہ تنکے کے اوجھل پہاڑ
وہ رستہ برابر برابر وہ تخت — کسی پر کنول اور کسی پر درخت
اناروں کا دغنا پھچنّے[۱] کا زور — ستاروں کا چھٹنا پٹاخوں کا شور
وہ مہتاب کا چھوٹنا بار بار — ہر اک رنگ کی جس سے دونی بہار
جب آئی وہ دلہن کے گھر پر برات — کہوں واں کے عالم کی کیا تجھ سے بات
بلوریں دھرے شمعداں بے شمار — چڑھیں بتیاں موم کی چار چار
نئے رنگ کے اور نئے طور کے — دھرے ہر طرف جھاڑ بلور کے
تماشائیوں کی یہ کثرت کہ بس — ملے ایک سے ایک سب پیش و پس
وہ دولھا کا مسند پہ جا بیٹھنا — برابر رفیقوں کا آ بیٹھنا
ہُوا جب نکاح اور بٹے ہار پان — پلا سب کو شربت دیئے ہار پان
وہ سب ہو چکے جب کہ رسم و رسوم — سواری کی ہونے لگی پھر تو دھوم
سحر کا وہ ہونا وہ ٹونے کا وقت — وہ دُلہن کی رخصت وہ رونے کا وقت
وہ دُلہن کا رو رو کے ہونا جُدا — وہ ماں باپ کا اور رونا جُدا
نکلتے وہ جانا محل سے جہیز — کہ جوں چشم سے اشک ہو موج خیز
یہاں موت ہے اہل عرفان کو — کہ جانا ہے اک دن یونہی جاں کو

وہ جو دردمندی سے ہیں آشنا
وہ شادی کا لیتے ہیں غم سے مزا

[۱] ایک قسم کی آتشبازی جو بچھو کی شکل ہوتی ہے۔

زبس تھا سواری کا باہر ہجوم ہُوا جبکہ ڈنکا پڑی سب میں دھوم
برابر برابر کھڑے تھے سوار ہزاروں ہی تھیں ہاتھیوں کی قطار
سنہری روپہلی وہ عماریاں شب روز کی سی طرحداریاں
چمکتے ہوئے بادلے کے نشاں سواروں کی ٹھٹ اور بالوں کی شاں
ہزاروں ہی اطراف میں پالکی جھلابور کی جگمگی نالکی
کہاروں کی زربفت کی کرتیاں اور انکے دبے پاؤں کی پھرتیاں
بندھی پگڑیاں طاش کے سرا وپر[1] چکاچوند میں جس سے آوے نظر
وہ ہاتھوں میں سونے کے موٹے کڑے جھلک جن کی ہر ہر قدم پر پڑے
وہ ماہی مراتب وہ تخت رواں وہ نوبت کہ دولہا کا جیسے سماں
وہ شہنائیوں کی صدا خوش نما سہانی وہ نوبت کی دھیمی صدا
وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقارچی قدم با قدم بالباس زری
بجاتے ہوئے شادیانے تمام چلے آگے آگے ملے شادکام
سوار اور پیادے صغیر اور کبیر جلو میں تمامی امیر اور وزیر
وہ نذریں کہ جس جس نے تھیں گذرانیاں[2] شہ و شاہزادے کو گزرانیاں[3]
ہوئے حکم سے شاہ کے پھر سوار چلے سب قرینے سے باندھے قطار
سجے اور سجائے سبھی خاص و عام لباس زری میں ملبس تمام
طرق کے طرق اور پرے کے پرے کچھ ایدھر اُدھر کچھ ورے کچھ پرے
وہ فیلوں کی اور میگ ڈمبر کی شاں جھلکتے وہ مقیش کے سائباں
چلی پایۂ تخت ہو کے قریب بدستور شاہانہ زینت جریب
سواری کے آگے پئے اہتمام لئے سونے روپے کے عاصے تمام
نقیب اور جلودار اور چوبدار یہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پکار
اسی اپنے معمول و دستور سے ادب سے تفاوت سے اور دور سے
یلا نوجوانو : بڑھے جائیو دو جانب سے باگیں لئے آئیو

[1] سراوپر کے بجائے سر کے اوپر بولتے ہیں ؂
[2،3] یہ دونوں متروک ہیں انکے بجائے آجکل گذرانی تھیں اور گزرانیں بولتے ہیں ؂

بڑھے جائیے آگے سے چلتے قدم ‏ بڑھے عمر و دولت قدم با قدم
غرض اس طرح سے سواری چلی ‏ کہے تو کہ بادِ بہاری چلی
تماشائیوں کا جُدا تھا ہجوم ‏ کہ ہر طرف[۱] تھی لاکھ عالم کی دھوم
لگا قلعہ سے شہر کی حد تلک ‏ دُکانوں پہ تھی بادلے کی جھلک
کیا تھا زبس شہر آئینہ بند ‏ ہوا چوک کا لطف واں چار چند
رعیّت کی کثرت ہجوم سپاہ ‏ گزرتی تھی رُک رُک کے ہر جا نگاہ
ہوئے جمع کوٹھوں پہ جو مرد و زن ‏ ہر اک سطح تھی جوں زمینِ چمن
لگا لنج سے تا نحیف و ضعیف ‏ تماشے کو نکلے وضیع و شریف
نظر جس کو آیا وہ ماہِ تمام ‏ کیا اس نے جھک جھک کے اسکو سلام

دعا شاہ کو دی کہ بار الٰہ
سدا یہ سلامت رہے مہر و ماہ

ہُوا حکم گوری کا جو بر ملا ‏ لئے ساز اپنے سبھوں نے اٹھا
دیا آسماں پر جو طبلوں کو کھینچ ‏ ہر اک تھاپ میں دل لیا سب کا اینچ
لگی گانے ٹھپہ وہ اس آن سے ‏ نکلنے لگی جان ہر تان سے
عجب تان پڑتی تھی انداز سے ‏ کہ بیکل تھی ہر تان آواز سے
غرض کیا کہوں اس کا میں ماجرا ‏ عجب طرح کی بندھ گئی تھی ہوا
وہ گانے کا عالم وہ حُسنِ بیاں ‏ وہ گلشن کی خوبی وہ دن کا سماں
گھڑی چار دن باقی اُس وقت تھا ‏ سُہانا ہر اک طرف سایہ ڈھلا
درختوں کی کچھ چھاؤں اور کچھ وہ دھوپ ‏ وہ دھانوں کی سبزی وہ سرسوں کا روپ
گلابی سا ہو جانا دیوار و در ‏ درختوں سے آنا شفق کا نظر
وہ سروِ سہی اور آبِ رواں ‏ وہ مستی سے پانی کا بہنا وہاں
وہ اُڑتی سی نوبت کی دھیمی صدا ‏ کہیں دُور سے گوش پڑتی تھی آ

---

[۱] طرف بالفتح متروک اب بالفتحین بولتے ہیں ۔

وہ رقصِ بتاں اور ستھرا الاپ — وہ گوری کی تانیں وہ طبلوں کی تھاپ
وہ دل پیٹنا ہاتھ پر دھر کے ہاتھ — اُچھلنا وہ دامن کا ٹھوکر کے ساتھ
نہ انسان ہی کا ہو دل اس میں بند — ہوئے محو سُن کر چرند اور پرند
غرض جو کھڑے تھے کھڑے رہ گئے — اُڑے جس جگہ کو اُڑے رہ گئے
جو پیچھے تھے آگے نہ وہ چل سکے — جو بیٹھے سو بیٹھے نہ پھر ہل سکے
لگی دیکھنے آنکھ نرگس اُٹھا — گلوں نے دیئے کان ادھر لگا
لگے ہلنے آ وجد میں سب درخت — کھڑے رہ گئے سرو ہو کر کرخت
درختوں سے گرنے لگے جانور — بنے مثلِ آئینہ دیوار و در
بندھا اس طرح کا جو اس جا سماں — ہوا سب کے دل کا عجب حال واں

عجب راگ کو بھی دیا ہے اثر
کہ ہو جائے پتھر کا پانی جگر — میر حسن

---

(۳)

یوں وہ حمام سے ہوا باہر — برج سے جیسے ہو طلوعِ قمر
صرف انعام بے شمار کیا — گنج لعل و گہر نثار کیا
الغرض وہ قمر سوار ہوا — ساتھ ہر ایک جاں نثار ہوا
جھنڈیاں جھک گئیں تمامی کی — توپ چلنے لگی سلامی کی
کس تجمل سے وہ چلا درگاہ — نظر آتی تھی قدرتِ اللہ
آمد آمد کی چار سو اک دھوم — بام و در پر وہ مرد و زن کا ہجوم
جتنی شوقین پردہ داریں تھیں — قبل سے چلمنوں میں آ بیٹھیں
لنگ تو جس طرح بنا آیا — آپ کو لنج نے بھی پہنچایا
کچھ کسی عارضے سے کوئی بشر — رہ گیا ہو تو رہ گیا ہو مگر
درِ دولتسرا سے تا درگاہ — ایک انبوہ تھا کہ حدِ نگاہ

۱ اُودھر کے بجائے اُدھر بولتے ہیں۔
۲ آ کے بجائے آ کر بولتے ہیں۔

کس قرینے سے وہ سواری تھی
آ گئے آگے تو فوج ساری تھی

بعد اُسکے جلوس کی کثرت
پلٹنیں برق دم وہ باشوکت

وہ پرے کے پرے سواروں کے
ٹھاٹھ اُنکے رسالہ داروں کے

بڑھ گئی جب وہ فوج دریا موج
نظر آنے لگا جلوس کا اوج

دیکھ کر بولے سب تماشائی
آئی آئی سواری اب آئی

لو وہ آمد ہوئی ہوا ڈنکا
لو وہ ماہی مراتب آ پہنچا

چمکی اتنے میں بیرق و پرچم
جلوہ آرا ہوئے نشان و علم

آگے آگے ہزار ہا سقے
مہراندام و مہ لقا سقے

مشک میں جائے آب کیوڑا گلاب
آبپاشی میں مست مثل سحاب

کمروں میں لنگیاں تمامی کی
فکر میں رفع تشنہ کامی کی

چار سے پانچ سے شتر اسوار
زیب سر سب کے شملۂ زرتار

وردیاں پُرزر اُنکی جلوہ کناں
مثل طاؤس مست سانڈنیاں

ایک ایک منزلوں کے دھاوے کی
چال میں پیر تھی چھلاوے کی

سب کے ہاتھوں میں اس طرح سے مہار
دست عاشق میں جیسے زلف نگار

زنگ سونے کے پُر تکلف تھے
جرس کاروان یوسف تھے

دیکھ کر حسن اُن کا قیس آسا
لوگ کہتے تھے ناقۂ لیلا

نور کے وہ پرے پرے خاصے
چال میں ڈھال میں بہت خاصے

گرم رو برق سے بھی افزوں تر
نرم رو صورت نسیم سحر

پری اُڑنے میں خو میں سب انسان
جستیں گشتیں ستم بلا کی جان

بال بھونرے سے رویاں رویاں صاف
پاک عیبوں سے جملہ تن شفاف

پیر سے پا تک جھکڑے کا عالم
مثل معشوق چال میں چھم چھم

سب جواہر نگار ساز و یراق
نادر دہر و عمدۂ آفاق

وہ جلودار غنچہ رو گلفام
غیرت حور و رشک ماہ تمام

دہنے بائیں چنور ہلاتے ہوئے
دمبدم نیشکر کھلاتے ہوئے

رُخ پہ سورج مکھی لگائے ہوئے
اور پسینے میں سب نہائے ہوئے

ہاتھ پر وہ اویل کرتے ہوئے　　ہر قدم پر وہ خود سنورتے ہوئے
باگ ڈورین کلابتوں کی نفیس　　آگے آگے لئے ہوئے وہ سئیس
وہ بھی خوشرو جوان پری رخسار　　اور انکے بھی ٹھاٹھ طرفہ نگار
اونچی اونچی وہ چولی کے دگلے　　وہ انبوار نگے ہوئے دگلے
وہ چڑھائے ہوئے گھٹنے چست　　کمریں باندھے ہوئے وہ غیردست
پھر وہ صید و شکار کا سامان　　سیکڑوں طائران صید کنان
وہ قرادل بلا کے وہ صیاد　　فن صید و شکار میں اوستاد
شاہباز ایک ایک برق نظر　　عازم صید طائر تقدیر
تیز پر وہ عقاب و شاہین تھے　　صید مرغ گمان بہ یقین تھے
وہ فلک سیر ایک اک بحری　　قاتل صید بحری و برّی
جوڑیاں تازیوں کی برق شعا　　کوئی گلگڈ اک اور کوئی بودا
شیر پر جھپٹتے ہی جو منہ جوڑیں　　دم میں روباہ کی طرح توڑیں
سونگھ کے انکی بو جو پائیں کہیں　　کھود کر وہ نکالیں گاڈ زمیں
دیکھ لے شعلہ ساں جو انکی لپک　　چوکڑی بھولے نیل گاؤ فلک
جرأت ایسی جو پوچھیے غربت　　سگ اصحاب کہف سی خصلت
ڈوریاں ڈو دیے سنبھالے ہوئے　　وہ زباں ایک اک نکالے ہوئے
وہ سیہ گوش اگر نگاہ پڑے　　کان آہوئے چرخ کے ہوں کھڑے
کتنے جنگی ہرن بھی بہر شکار　　نقش پا جن کے نافۂ تاتار
ایک اک وہ سدھا ہوا چیتا　　جو پکڑ لائے صید کو جیتا
جھولیں زربفت کی وہ جلوہ کناں　　وہ طلائی زری بھونر کلیاں
کس قدر ہر بھونر کلی پرتاب　　آب زر کا کہوں انہیں گرداب
کتنے یوچے بھی ساتھ نادر کار　　کچھ ہوادار بھی صبا رفتار
وہ مغرق تمام نالکیاں　　رشک برج قمر وہ پالکیاں
انگریزی وہ باجے بجتے ہوئے　　فیل نقارہ بھی گرجتے ہوئے
دلربا یہ صدائے نوبت تھی　　دل عالم کو جس سے فرحت تھی

کتنے شہنا نواز حور نژاد	سب بجاتے ہوئے مبارکباد
اتنے میں خاص بھی جلوس آیا	کچھ عجب لطف اس نے دکھلایا
جیسے باغ جہاں میں آئی بہار	کھل گیا ایک تختۂ گلزار
وہ پریزاد برچھیوں والے	جن کے مژگاں پئے جگر بھالے
برق انداز باندار تمام	بھالے والے پری رخ و گلفام
خاص بردار وہ پری پیکر	خاصیان نور کی وہ کاندھوں پر
سینگرے ساز سب مرصع کار	برق چقماق قہر توڑے دار
آگے آگے نقیب کی للکار	باادب با ملاحظہ ہشیار
ہو فزوں عمر و دولت و اقبال	دوست خوش ہوں عدو ہوں پامال
بعد ازیں ہاتھیوں کے غول کے غول	تیز رو سب سبک خرام بجھول
قد و قامت میں ایک اک کنجل	پشتہ تھا جنکے آگے دل بادل
چال مانند کوہ گردوں تھی	مستک ایک ایک کی شفق گوں تھی
کار چوبی وہ مخملی جھولیں	رہتے وہ جن میں سونڈل جھولیں
وہ طلائی مکٹ مرصع کار	چاند سورج کی مستکوں پہ بہار
جوڑی دانتوں پہ یوں تھی جلوہ فگن	جیسے گوری کلائی میں کنگن
فیلبانوں کی بھی غضب کی نکھار	بر میں اک ایک کے قبا زرتار
سر پہ چیرے بندھے ہوئے گلنار	طرے اور گوشوارے نادر کار
وہ جواہر نگار کجبا گیں	حسن میں یادگار کجبا گیں
اقربا اُن پہ بادشا کے تمام	بیچ میں شاہزادۂ گلفام
چار جانب تمام دولتخواہ	سارے ارکان سلطنت ہمراہ
ہاتھ سے اپنے وہ بت مہ رو	سیم و زر پھینکتا ہوا ہر سو
سیکڑوں وہ غلام دُر در گوش	ماہرو مہروش مرصع پوش
ہاتھ میں منقلیں وہ مینا کار	عود و عنبر کی آگ پر بوچھار
یوں سواری جو چوک میں آئی	محو حیرت ہوئے تماشائی
غل مچا لوگ اُٹھے پے تعظیم	جھک کے سب نے ادب سے کی تسلیم

قلق

(۴)

ایک دن جو برائے سیر اُٹھا
دیکھی کوٹھے پہ ایک ماہ لقا
بام روشن تھا طور کی صورت
سر سے پا تک تھی نور کی صورت
حُسنِ یوسف بھی اسکے آگے ماند
چہرہ زلفوں پہ جیسے ابر میں چاند
گُل سے رخسار گول گول بدن
گال جس طرح قمقمے روشن
جلوۂ حُسن رشکِ شعلۂ طور
چشم بد دور آنکھیں موتی چور
رُخ پہ وہ بکھرے بکھرے زلف کے بال
رگِ گُل سے وہ ہونٹ گال سے لال
ناک میں نیم کا نقط تنکا
شوخی چالاکی مقتضا سن کا
آستینوں کی وہ پھنسی کُرتی
جسم میں وہ شباب کی پھُرتی
قد میں آثار سب قیامت کے
گوری گردن میں طوق منت کے
رُخ پہ گرمی سے وہ عرق کم کم
جس طرح گُل پہ قطرۂ شبنم
عکسِ رخ موتیوں کے دانوں میں
بجلیاں چھوٹی چھوٹی کانوں میں
سرو ساقد تو گُل سے رخسارے
شانے بازو بھرے بھرے سارے

کیا خداداد حُسن پایا تھا
آپ اللہ نے بنایا تھا

جائے عبرت سرائے فانی ہے
موردِ مرگ نوجوانی ہے
اونچے اونچے مکان تھے جتنے
آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے
کل جہاں پر شگوفہ و گُل تھے
آج دیکھا تو خار بالکل تھے
جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم
آج اُس جا ہے آشیانۂ بوم
بات کل کی ہے نوجواں تھے جو
صاحبِ نوبت و نشاں تھے جو
آج خود ہیں نہ ہیں مکاں باقی
نام کو بھی نہیں نشاں باقی
غیرتِ حور مہ جبیں نہ رہے
ہیں مکاں گر تو وہ مکیں نہ رہے
جو کہ تھے بادشاہِ ہفت اقلیم
ہوئے جا جا کے زیرِ خاک مقیم
کوئی لیتا بھی اب نہیں یہ نام
کون سی گور میں گیا بہرام

اب نہ رستم نہ سام باقی ہے | اِک فقط نام ہی نام باقی ہے
کل جو رکھتے تھے اپنے فرق پہ تاج | آج ہیں فاتحہ کو وہ محتاج
تھے جو خود سر جہان میں مشہور | خاک میں مل گیا سب اُن کا غرور
عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے | نہ کبھی دُھوپ میں نکلتے تھے
گردشِ چرخ سے ہلاک ہُوئے | اُستخواں تک بھی اُنکے خاک ہُوئے
تھے جو مشہور قیصر و فغفور | باقی ان کا نہیں نشانِ قبور
تاج میں جن کے ٹکتے تھے گوہر | ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسۂ سر
رشکِ یوسف جو تھے جہاں میں حسیں | کھا گئے اُن کو آسمان و زمیں
ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے | یہی دُنیا کا کارخانہ ہے
ہے نہ شیریں نہ کوہکن کا پتہ | نہ کسی جا ہے نل دمن کا پتہ
بوئے اُلفت تمام پھیلی ہے | باقی اب نہ قیس ہے نہ لیلی ہے
صبح کو طائرانِ خوش الحان | پڑھتے ہیں کُل مَن علیہا فان

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

مرزا شوق

---

(۵)

بیضاوی صبح کا بیاں ہے | تفسیر[1] کتاب آسماں ہے
ہے خاتمۂ شب دل افروز | دیباچہ نگارِ نسخۂ روز
آثارِ سحر ہُوئے نمایاں | سیپارہ لئے ہُوئے ہے دَوران
واللیل کو ختم کر چکا ہے | آمادۂ دورِ والضحٰے ہے
عنوانِ فلک ہے دُرِ منثور | لوحِ زرّیں سورۂ نور
اطرافِ بیاضِ مطلعِ صاف | والفجر کے حاشیے پہ کشاف
معمورۂ دہر تا بیاباں | ہمطلعِ کشورِ بدخشاں

[1] بیضاوی درِ منثور کشاف نام تفسیروں کے ہیں منشایہ ہے کہ رات ختم ہوئی اور صبح صادق کے آثار ہیں ٭

ہر دشت ہے مثلِ دشتِ ایمن ہر کوہ برنگ طور روشن

عالم میں ہے آفتاب تاثیر ؎۱ آبِ حلب وہوائے کشمیر

گردوں کے غلاف میں ہے پنہاں ؎۲ مشکوٰۃ شریفِ مہرِ تاباں

آنکھیں نظارے کی طلبگار نظارے کا بخت خفتہ بیدار

منظور ہے حسن کا تماشا ؎۳ ہر دیدہ ہے دیدۂ زلیخا

ہے شرق سے غرب تک پریشان ؎۴ ق نورِ عینین پیرِ کنعان

وہ سورۂ یوسفِ تجلّی یہ مطبع مصر کی عزیزی

پستی کا دماغ آسمان پر ق اوجِ افلاک مہر گستر

وہ ہے بلغ العلیٰ کی تفسیر ؎۵ یہ ہے کشف الدجیٰ کی تعبیر

مضمونِ طلوعِ صبحِ صادق ؎۶ مشہور روایتِ مشارق

موقوف حدیثِ شب کی تصحیح ؎۷ رکھ دیجئے طاق پر مصابیح

ظلمت کا چراغ بے ضیا ہے انجم کا ستارہ ڈوبتا ہے

مہتاب کی چاندنی ڈھلی ہے مریخ کی سست مشتری ہے

روپوش دبیرِ چرخ اخضر ؎۸ ظلمت کا سیاہہ کرکے ابتر

؎۱ جس طرح تمام عالم میں آفتاب کی تاثیر پھیلی ہوئی ہے اُسی طرح آبِ حلب اور ہوائے کشمیر ہر جگہ ہے۔

؎۲ مشکوٰۃ نام کتاب حدیث شریف۔

؎۳ ہر دیدہ مثل زلیخا کے مشتاق حسن کا ہے۔

؎۴ شرق کو سورۂ یوسف اور غرب کو تفسیر عزیزی قرار دیا ہے۔ مناسبت یوسف و عزیزی و پیر کنعان خاص لطف رکھتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شرق بجائے قرآن کے ہے اور غرب اُسکی تفسیر ہے۔

؎۵ پستی کی بلندی بلغ العلیٰ اور افلاک کی مہر گستری کشف الدجیٰ۔

؎۶ مشہور قسم حدیث و مشارق نام کتاب حدیث و جمع مشرق۔ مطلب یہ ہے کہ صبح صادق ہونے میں کوئی شبہ کا محل نہیں ہے۔

؎۷ موقوف قسم حدیث۔ منشا یہ ہے کہ حدیث شب کی تصحیح موقوف ہوئی یعنی شب تمام ہوئی۔ مصابیح نام کتاب حدیث کا ہے و مصابیح جمع مصباح یعنی چراغ۔

؎۸ ظلمت کا سیاہہ ابتر ہو گیا تو دبیر الحمد پر مانہ نویس خائف ہوئے کوئی روپوش ہوا کوئی غائب۔

اہل مہ کہکشاں ہے مغرور — پروانہ نویس شمع کافور
زہرہ کا سفید ہو گیا رنگ [۱] — نظم پروین کا قافیہ تنگ
ہے فکر سپہر رات بھر کی [۲] — کیا بات ہے مطلع سحر کی
ہر مطلع صبح صادق اوستاد [۳] — از دیدہ نوشت صاد بر صاد
ہے وقت اخیر شب خلاصا [۴] — الواح زبرجد فلک کا
ہنگام سپیدۂ سحرگاہ [۵] — ساعات میں روز و شب کی واللہ
اک مخبر صادق البیان ہے [۶] — پیغمبر آخر الزمان ہے
کیفیت وحی میں ہے بلبل [۷] — ہے وقت نزول مصحف گل
سبزہ ہے کنار آبجو پر — یا خضر ہے مستعد وضو پر
نوبت ہے صدائے قمریاں کی — تیاری ہے باغ میں اذاں کی
محو تکبیر فاختہ ہے [۸] — قد قامت سرو دلربا ہے
اک شاخ رکوع میں رکی ہے — اور دوسری سجدے میں جھکی ہے
سوسن کی زبان پر مناجات — جاری لب جو سے التحیات
تسبیح شگوفہ یا مصور [۹] — تحریمۂ تاک رب اغفر

---

[۱] رنگ سفید ہو گیا یعنی رنگ فق ہو گیا۔ نظم پروین برج ثور کے چھ ستاروں کا نام ہے یعنی صبح ہوئی تو زہرہ اور نظم پروین غائب ہو گئے۔

[۲] سپہر آسمان و تخلص شاعر۔ مطلع شعر اول غزل و قصیدہ و جائے طلوع۔ سحر تخلص شاعر و صبح۔ مطلب یہ ہے کہ مطلع سحر سپہر کے رات بھر کا نتیجہ فکر ہے۔

[۳] صبح صادق میں دو صاد ہیں۔ خوشنویس استاد جب کسی دائرہ کی کشش کو بہت پسند کرتے ہیں تو دو صاد بناتے ہیں۔

[۴] جس طرح توریت جسکو الواح زبرجد فلک کہتے ہیں منسوخ ہو گئی اسی طرح وقت اخیر شب ختم ہوا اور صبح صادق نمودار ہے۔

[۵] سپیدۂ سحرگاہ کو پیغمبر آخر الزمان قرار دیکر ضروریات پیغمبری کا ذکر کیا ہے۔

[۶] سپیدۂ صبح پیام رات کے ختم ہونیکا دیتا ہے اسواسطے اسکو پیغمبر آخر الزمان قرار دیا ہے۔

[۷] جب وحی آتی تھی آنحضرت کی حالت متغیر ہو جاتی تھی تمام بدن میں رعشہ کی کیفیت ہو جاتی تھی۔

[۸] قد قامت یعنی تکبیر۔

[۹] تحریمہ وہ تکبیر جو بعد نیت نماز کے کہہ کے شروع کرتے ہیں۔

پھیلی ہوئی بوئے گل چمن میں
اور صلِّ علیٰ کا غُل چمن میں

غنچے میں ہے خامشی کا عالم
یا صوم سکوت میں ہے مریم

کیاری ہر اک اعتکاف میں ہے
اور آب رواں طواف میں ہے

پابند زکوٰۃ نامیہ ہے
۱ کانٹا زرِ گل کو تولتا ہے

لایا یہ مجاہدِ صبا رنگ
۲ نافرمان ہو رہا ہے چورنگ

سالک ہے چمن میں نہر موزوں
مجذوب ہے شاخِ بیدِ مجنوں

ہے صوفیِ صاف دل صنوبر
تحریک نسیم حالت آور

ہر تخم بہ خلوت آرمیدہ
ہر ایک ثمر خدا رسیدہ

ابدال ہیں برگ و نخل اوتاد
۳ ہے نعم العبد سروِ آزاد

خدمت میں بہار کی صبا ہے
سبزہ سُنبل کا بالکا ہے

سجادہ بدوش لالہ یکسو
یکسو شب زندہ دار شبّو

ہے استغراق نیلوفر کو
۴ پاس انفاس ہے سحر کو

سیفی جو زبان خار پر ہے
نرگس کی نگاہ میں اثر ہے

وحدت ہے چمن میں مغز تا پوست
صادق ہے بہار پر ہمہ اوست

غنچہ نہ رہا تو گل ہوا ہے
۵ واصل ہے جسے یہاں فنا ہے

کہتا ہے اشارۃً لبِ جُو
مُوتُوا مِن قَبلِ اَن تَمُوتُوا

خرقہ ہے نصیب یاسمن کو
۶ عمامہ ملا ہے ناردن کو

پیرایۂ نور میں سمن ہے
سُلطانِ مشائخِ چمن ہے

---

۱ مال نامی پر زکوٰۃ واجب ہے نامیہ بمعنی بڑھنے والا۔ کانٹا اُردو میں بمعنی چھوٹی ترازو کے اور نیز بمعنی خار مستعمل ہے +

۲ جہاد نافرمان پر ہوتا ہے نافرمان قسم پھول کی ہے +

۳ ابدال گروہے از اولیاء اللہ کہ حق تعالیٰ زمین را بوجود ایشاں قائم دارد یکے از ایشاں چوں بمیرد دیگرے از مردم جائے او بگیرد بمناسبت برگ با ابدال ظاہر۔ او تاد در اصطلاح سالکان چہار تن اند۔ اولیاء خدا تعالیٰ کہ محافظت جملہ عالم و معموری دنیا از برکت ایشان ست اوتاد جمع وتد بمعنی میخ ۴ نیلوفر پانی میں ڈوبا رہتا ہے اسی رعایت سے لفظ استغراق جو اصطلاح تصوف ہے استعمال کیا گیا ہے ۵ غنچہ مٹ کر گل ہو جاتا ہے ؞

۶ ناردن بمعنی گلنار فارسی۔

عطار شمیم گلستاں کی (۱) ہم مرتبۂ فرید بوٹی
پھولوں میں ہے یوں گلاب خوش آب جیسے قطبوں میں قطب اقطاب
کیوڑا گلزار پُر فضا میں غوث الثقلین اولیا میں
ہر شمع خموش فکر میں ہے (۲) ہر طائر شوخ ذکر میں ہے
شورش میں قلندرانہ قمری (۳) اور چشتی سبز پوش طوطی
ہے خواجۂ نقشبند دیباچہ طاؤس علیہ رحمۃ اللہ
ہر کبک دری خلیل آزر (۵) ہُد ہُد نامِ خدا پیمبر
اعجاز نسیم صبحدم ہے انفاس مسیح کی قسم ہے
عالم میں وہی ہوا ہے چلتی (۶) جو صبح الست کو چلی تھی
تنزیہ ہے مست نغمۂ ہو (ق) ہنگامۂ لا الٰہ ہر سو
باشان و شکوہ جلوہ فرما (۷) شاہنشہ تختگاہ اِلّا
سامان ظہور کی ہے تمہید قدرت پہ یہ ہو رہی ہے تاکید
فیضِ روح القدس عیاں ہو افشائے رموزِ کن فکان ہو
آئینہ ہو چار سوئے عالم لبریزِ تجلیاتِ پیہم
ہر قطرہ ہو جوشِ بحر در بر ہر ذرہ ہو آفتاب پیکر
وہ شان ہو آج رنگ و بو کی مصداق ہو جل شانہ کی

---

(۱) شمیم عطار گلستان کی ہے اور بوٹی ہم رتبہ فرید ہے عطار سے اشارہ شیخ فریدالدین عطار اور فرید سے بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہما کی طرف ہے شمیم ہوائے خوشبو فرید بوٹی نام بوٹی کا ہے یعنی شمیم عطار اور بوٹی فرید ہے
(۲) فکر و ذکر اصطلاح تصوف شمع کی خموشی ثبوت فکر کا ہے +
(۳) چشتی سے مراد حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح ہیں مناسبت سبز پوش با طوطی ظاہر +
(۴) طاؤس نام ایک کامل بزرگ کا ہے مناسبت طاؤس با نقشبند ظاہر +
(۵) کبک دری پرندہ ایست خوش رفتار و آتش خوار۔ آزر بمعنی آتش و نام بت تراش مناسبت خلیل با آزر ظاہر ہد ہد پیام و نامہ حضرت سلیمان کا ملکہ سبا کے پاس لے گیا تھا جس کا ذکر سورۂ نمل میں ہے +
(۶) صبح ازل جب الست بربکم کہا گیا تھا +
(۷) شاہنشہ یعنی اللہ کہ در الا اللہ ہست +

لو ہم نے حباب کو عطا کی ؎۱ آبِ حیواں کی میر بحری
فرمانِ بقا کے مستند ہوں احکامِ فنا کے مسترد ہوں
کثرت وحدت میں ہو کے فانی حاصل کرے عمرِ جاودانی
مہمانِ حدوث کا تقدم ہو امکان پہ وجوب کا کرم ہو
سیرابی تازہ روپ دکھلائے ہر شاخِ خمیدہ راست ہو جائے
اسرافیل اپنے صور لائیں پھر رنگ رمیدہ کو جگائیں
عزرائیل اب کریں نہ دَورا ناکارہ وکے رہیں عدم کا
اللہ اللہ کیا سماں ہے ہر شئے کو حیاتِ جاوداں ہے
سرسبزی ہے باغِ جناں کی آمد ہے بہارِ بے خزاں کی
لوح و قلم ادیبِ تقدیر محوِ خطِ نسخِ عالمِ پیر
ایام کا بخت پھر جواں ہے پھر عہدِ شباب آسماں ہے
ہستیٔ عدم میں یک لَے ہے ؎۲ لا شئے کے بھی لب پہ آج نَے ہے
کیفیتِ خرمی سے مسرور رنگین طبعانِ محفلِ نور
رضوان نے کہیں سبیل رکھی ہر کوزے میں سلسبیل رکھی
تیار کئے بحکمِ باری ؎۳ میکائیل اک طرف نہاری
آئی لے ساغر و صراحی ؎۴ کوثر سے کھنچی ہوئی صبوحی
گلدستے بہشت نے بنائے ؎۵ جبریل درود پڑھتے آئے
بیٹھے ہوئے ہیں خوشی سے پھولے غلمان لئے ہار حور گجرے
خاکا ہے زمیں میں آسماں کا نقشا ہے مکاں میں لامکاں کا
گویا اتر آئی ہے زمین پر مینا بازارِ چرخِ اخضر

؎۱ یعنی حباب کو آبِ حیوان (بقائے دائمی) کا امیر البحر مقرر کیا۔

؎۲ لا کا ترجمہ فارسی میں نے ہے۔

؎۳ حضرت میکائیل کو خدمت رزق پہنچانے کی سپرد ہے۔ نہاری صبح کا ناشتہ۔

؎۴ صبوحی وہ شراب جو صبح سویرے پی جاتی ہے۔

؎۵ حضرت جبریل کو خدمت انبیا پر سلام و پیام پہنچانے کی ہے۔

نازل ہوئے عرش سے فرشتے — سب حیّ علی الفلاح کہتے
حاضر ہوئی روحِ پاکِ آدم — دوران نے کہا کہ خیر مقدم
ہمرنگِ ارم زمانہ بشگفت — طوبیٰ تک یا ابا البشر گفت
انوار ہیں نوح کے نمایاں — یا ابر کرم کا جوش طوفاں
رحمت کے لباس میں چھپے راس — شیثؑ و ادریسؑ و خضرؑ و الیاسؑ
یمن و برکت لئے ہیں موجود — ہارونؑ و شعیبؑ و صالحؑ و ہودؑ
خاتم پہ لکھے ہوئے سلیمانؑ — نقشِ تسخیرِ جن و انسان
بسم اللہ صادِ صبرِ ایوبؑ — ۱؎ الحمدِ کتابِ شکرِ یعقوبؑ
یوسفؑ مع عزت و مناصب — ۲؎ یونسؑ مع ماہی و مراتب
داؤدؑ لئے زبور پہونچے — موسیٰؑ مع شمعِ طور پہنچے
کعبے میں خلیل کا ہے جلوہ — بُت کرنے لگے خدا کا سجدہ
اسحاقؑ مع ذبیحؑ آئے — لقمانؑ مع مسیحؑ آئے
تھے حُسن فروش و جلوہ مشتاق — ارواح کے ساتھ ساتھ اخلاق
(رانہ ذت مقلوب)
انواعِ محاسن و کمالات — اقسامِ صفات و عمدہ حالات
جو کچھ ابتک ہوا ازل سے — ہونے والا ہے جو کچھ آگے
ہر نکتۂ جانفزائے ناسوت — ۳؎ رازِ ملکوت و سرِّ لاہوت
توحید کی شان راستبازی — تجرید کی وضع بے نیازی
استغنا ہمرکابِ تسلیم — اقبال کے ساتھ تخت و دیہیم
دانش دانائے سرِّ مکنون — سرمایۂ نازشِ فلاطون
وہ نظمِ فصیح جس کا سحبان — طفلِ ناخواندۂ دبستان
وہ دولت و جاہِ روز افزون — جسکے بندوں میں تھا فریدون

۱؎ سورۂ صاد صبر کی بسم اللہ حضرت ایوبؑ اور کتاب شکر کی الحمد حضرت یعقوبؑ ہیں +

۲؎ ماہی مراتب جلوس شاہی۔ مناسبت ماہی با یونس علیہ السلام لطفے دارد +

۳؎ لاہوت عالم ذاتِ الٰہی ست کہ سالک را دراں مقام فنا فی اللہ حاصل میشود و مرتبۂ صفات را جبروت و مرتبہ اسما را ملکوت نامند۔ ناسوت عالم اجسام +

حاتم کا وصف جود کامل ۱؎ عدل نوشیروانِ عادل
حکمت مفتاحِ قفلِ مقصود علمِ آئینۂ وجودِ معبود
ہر گوہرِ قلزمِ ولایت ہر نیّرِ مطلعِ ہدایت
صدیقؓ کا صدق و استواری عثمانؓ کا حلم و بردباری
آوازہ عمرؓ کی صاحبی کا اور دبدبہ مرتضےٰ علیؓ کا
ریحانِ بہشت روح پرور خُلقِ حسن شگفتہ منظر
رنگینیِ لالہ زارِ ایمان جانبازیِ سیدِ شہیدانؓ
آثارِ مجاہدینِ ابرار انوارِ مہاجرین و انصار
مقبولیِ بایزید داد ہم محبوبیِ خاصِ غوثِ اعظم
عرفان ابوسعید کرخی روشن دلی جنید و شبلی
گستاخیِ عاشقانِ مغرور رسوائی دار و گیر منصور
عشق آفتِ عاشقانِ جانباز ۲؎ حسن آئینۂ تجلی ناز
مجنون و ہجوم حسرتِ دل لیلیٰ مع ساربان و محمل
القصہ یہ دیکھ کر تماشا حیرت ہوئی آکے جلوہ فرما
کہتی ہوئی کیا ہے آج ساماں کھلتا نہیں کچھ یہ سرِّ پنہاں
خورشید فلک کے سائباں میں یوسف ہے غبار کارواں میں
خلوت گرِ حسن ہے زمانہ اور جلوۂ صبح شاہدانہ
ڈوبی ہوئی رنگ میں چمن کے ۳؎ نکھری ہوئی روپ میں دلہن کے
خورشیدِ ظہور کا شرف ہے ق معراجِ نظر کو ہر طرف ہے
مظہر کا خطاب میرزا ہے ۴؎ منظر کا لقب ابو العلا ہے
شبنم کو دمِ فلک مآبی ۵؎ مٹی میں کمالِ بوترابی

۱؎ جود کامل جو حاتم کی خوبی تھی ۔
۲؎ عشق جو عاشقانِ جانباز کے واسطے آفت ہے اور حسن جو تجلی ناز کا آئینہ ہے ۔
۳؎ صبح کی صفت ہے یعنی صبح چمن کی رنگت میں ڈوبی ہوئی ۔
۴؎ مظہر مرزا مظہر جانجاناںؒ شاہ ابوالعلا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں عجیب غریب اثر تھا ۔
۵؎ ابوتراب کنیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ جس میں تراب کا لفظ ہے جسکے معنے خاک کے ہیں ۔

ہر قطرے میں آب و تاب گوہر — ہر موج شعاع مہر انور
آفاق میں ہے تجلی نور — یا شان نزول جلوۂ طور
کرتا ہے فلک سجود پیہم — مائل بزمیں ہے عرش اعظم
اونچی ہوئی یہ مکان کی کرسی — سب کھل گئی لامکان کی قلعی
مرکز کو چلی گئی ہے کیا نار — آتشکدے گل ہوئے جو یکبار
پانی طوبیٰ کی جڑ میں پہنچا — جو خشک ہوا ہے بحر ساوا
ہے خاک کی طبع میں روانی — جو دشت سماوہ میں ہے پانی
چلتے ہیں یہ کس ہوا کے جھونکے — ہوش اڑتے ہیں جس سے کاہنوں کے
باندھا وہ قضا نے لعن کا لام [1] — ابلیس کی فوج میں ہے کہرام
بت مہر سکوت بر دہان ہے — بتخانوں میں شور الامان ہے
کس کی شوکت کا زلزلہ ہے — قصر کسریٰ جو ہل رہا ہے
ہے کس کو خطاب ایزد پاک [2] — لولاک لما خلقت الافلاک
گم نور وجود میں عدم ہے — آغوش حدوث میں قدم ہے
ہے فرش پہ عرش کی تجلی — کتنی ہوئی لا آلہ خیری
ہے قبلہ ہر ایک سمت پرنور [3] — ہر بیت ہے مثل بیت معمور
ہر نقص کمال کا سزاوار — ہر جز میں عقل کل کے آثار
کیا رنگ قبول جلوہ گر ہے [4] — ہر گل پہ ہزار کی نظر ہے
ہے چاندنی ایک ماہ پیکر [5] — سورج مکھی آفتاب انور
اورنگ نشین باغ ہے گل [6] — اور ہفت ہزاریوں میں بلبل

---

[1] لام باندھنا بمعنی لشکر جمع کرنے کے ہے۔

[2] یہ حدیث لفظاً موضوع اور معنیً صحیح ہے صاحب قصیدہ بردہ فرماتے ہیں لولاہ ما خلق الافلاک خالقہا۔

[3] ہر سمت پر نور قبلہ ہے۔

[4] ہزار کنایہ از بلبل۔

[5] گل چاندنی سورج مکھی گل اشرفی گل صد برگ گل عباسی گل داؤدی مشہور پھولوں کے نام ہیں۔

[6] عباسی کو دعویٰ فتوت کا اور داؤدی کو شبہ نبوت کا اس رعایت سے ہے کہ حضرت عباس کی فتوت اور حضرت داؤد کی نبوت مشہور ہے۔

ذی حکم خزانہ اشرفی ہے — صد برگ کا اسم پانصدی ہے
عباسی کو دعوئے فتوت — ۱؎ — داؤدی کو شب نبوت
ہر دانہ ہے عابد سحر خیز — ہر ذرۂ خاک شمس تبریز
القاب نسیم دامن دشت — مخدوم جہانیاں جہاں گشت
خالق کا کرم ہے فیض گستر — بخشش کا صلائے عام گھر گھر
ردِ حسنات سوئے اخبار — چشم رحمت سوئے گنہگار
ہے فکر میں عابدوں کی طاعت — محسن کی تلاش میں شفاعت
جیسی اس دن سحر ہوئی ہے — ایسی کبھی پیشتر ہوئی ہے!
ایں نسخہ چہ انتخاب دارد — ایں صبح چہ آفتاب دارد
ناگاہ بجلوۂ عبارت — پیدا ہوئی غیب سے بشارت

یہ صبح سعادت جہاں ہے — نوروز بہار جاوداں ہے
مفتاح خزینہ ہائے اسرار — مصباح تجلیات انوار
ہے بدر کمال اوج تشبیہ — لبریز جمال مہر تنزیہ
نازل ہے زمیں پہ کبریائی — بندے کے لباس میں خدائی
اس وقت دیار میں عرب کے — مطلع سے تجلیات رب کے
برج شرف قریشیان میں — اور ہاشمیوں کے خاندان میں
کعبے کی زمین نامور سے — اور عبدالمطلب کے گھر سے
اسلام کا آفتاب چمکا — بے پردہ و بے نقاب چمکا
پیدا ہوئے سرور دو عالم — ق — پیدا ہوئے فخر نوح و آدم
محبوب خدا نبی مرسل — صبح دو مین روز اول
شہنشہ انبیا محمدؐ — تاج سر اصفیا محمدؐ
پیدا ہوئے حضرت پیمبر — ق — صبح قدرت کے سعد اکبر
واللیل اشارتے زمویش — والشمس عبارتے زرویش
خورشید سپہر دین محمدؐ — نور عین الیقین محمدؐ

۱؎ ہفت ہزاری منصب ہے اس میں لفظ ہزار ہے جسکے معنی بلبل کے ہیں پانصدی منصب ہے۔

پیدا ہوئے قبلۂ طریقت ق پیدا ہوئے کعبۂ حقیقت
مقصود ازل اجل و اعلےٰ منظورِ حضور حق تعالےٰ
سلطان فلک حشم محمدؐ مہر عرب و عجم محمدؐ
پیدا ہوئے بادشاہ ذیجاہ ق[1] آرائش تخت لی مع اللہ
عین عرفان و مردم عین ابروئے جبیں قاب قوسین
جان و دل مرسلین محمدؐ روح روح الامین محمدؐ
پیدا ہوئے خاتم النبیینؐ ق مہر فرمانِ عز و تمکین
بامیم احد احمد بلا میم شائستۂ صد صلوٰۃ و تسلیم
گنجینۂ اصطفا محمدؐ آئینۂ حق نما محمدؐ
محوِ رضوان حق روانش آل و اصحاب و پیرِ دانش
کیفیتِ وجد میں ہے اب ذوق کہتا ہے خطیب خامۂ شوق
ہے ذکر ولادتِ پیمبر [2] اعلیٰ اولیٰ اہم و اکبر

محسن کاکوروی

---

(۶)

دے و بہمن کی تھی فصلِ جوانی خراماں تھی ہوائے کامرانی
پڑے تھے بے کفن گل بوستان کے ہوئے لتا قبائے پرنیان کے
کیا آب زکام اس مرتبہ پاک رگِ گل سوسن کی نیلی ہو گئی ناک
خزاں نے اس طرح گلشن کو لوٹا نہ گلبن تھے نہ پتا تھا نہ بوٹا
عروس گل بنی تھی صورت زال جوانانِ چمن پیرکہن سال
ہُوا تھا تارکِ مے ہر شرابی زکام اُس کا بڑھاتی تھی گلابی
تمامی جامہ زیبانِ گلستان کھڑے تھے بھوت کے مانند عریان
رہا یوں فرشِ سبزہ نا مکمل کہ دیمک خوردہ جیسے سبز مخمل

[1] ملاحظہ ہو چراغ کعبہ میں مقام اعلیٰ کے بیان میں آیا سوئے بزم لی مع اللہ" کا فٹ نوٹ۔
[2] جمعہ کے دوسرے خطبہ میں آخری فقرہ اعلیٰ اولیٰ اہم و اکبر ہوتا ہے۔

دل بیمار کی ہر غنچہ تصویر　　عروس گل بنی تھی بیوۂ پیر
ہوئی گلشن میں سردی ایسی افزون　　ٹھٹھر کر جم رہا تھا لالہ کا خون
ہوئی تھی برق کی گرمی بھی کم ظرف　　لحاف ابر میں تھا پنبۂ برف
لب جو کانپتے تھے سرد تھر تھر　　برہنہ جیسے افیونی لاغر
بہار ایسی ہوئی رہنے سے مایوس　　اوڑی ہو کر سوار پشت طاؤس
کیا جاڑے کی شدت نے یہ دلتنگ　　بنفشہ کا ہوا تھا نیلگوں رنگ
ذرا سردی کا اس میں دیکھ کر روپ　　گریزاں چاندنی کے گل سے تھی دھوپ
اڑائی باد صرصر نے بہت گرد　　نہ بھڑکی ارغوان کی آتش سرد
رہی گو شعلہ ور فریاد بلبل　　ہوئی روشن نہ شمع مردۂ گل
شعاع مہر ہوتی تھی شرر بار　　نہ گلتا تھا طلائی برگ اشجار
دل مجروح کیا لائے حرارا　　دہان زخم کو لقوے نے مارا
کثافت اس قدر تھی ابخروں میں　　کہ سب نے چھاؤنی چھائی گھروں میں
نکلتی تھی جو منہ سے بھاپ اکثر　　نقاب چہرہ بنتی تھی ٹھٹھر کر
ہوئی سردی سے سردی بھی گریزاں　　نمد میں ہو گئی تھی تیغ بھی پنہاں
زگال داغ لالہ تھے مگر تر　　کہ یوں ٹھنڈی پڑی ہے اسکی مجمر
برہمن خوف سرما سے نہ بولے　　ہوئے بتخانوں میں ناقوس اولے
ہلاک سرد مہری بتاں سے تھے　　برنگ بیدلرزاں بیدخواں تھے
نہ وہ چوٹی نہ وہ زلف معنبر　　سر بے مو کی صورت سنبل تر
چمن کا غم کریں ہندو جو گھر گھر　　کرے پھر بھدرا سبزہ نہ کیونکر
خزاں نے دست و پا ایسے کئے سرد　　سیئے کی طرح ہر یل ہو گیا زرد
ہوئی جو فاختہ گرما کی دم کش　　نہ نکلی مشت خاکستر سے آتش
جو آجاتی تھی چھپ کر نکہت گل　　چمن میں خشک پتے کرتے تھے غل
نہ تھی نہروں میں سردی سے روانی　　بنا تھا آبگینہ جسم کے پانی
ہوائے سرد سرما سے پڑا کام　　حبابوں کے بلورین ہو گئے جام
جمے جاتے تھے قطرے ابر تر کے　　صدف میں دانت بجتے تھے گہر کے

فدا جب تھم گیا پانی برس کر	رہیں مرغابیاں پانی میں پھنس کر
ہوئے بیکار دولتمند مردم	دبے آخر میان برف قاقم
گری جب برف مثل قطن مجلوج	ہوئے تب دست و پائے موج مفلوج
جلایا گرمیٔ محفل نے سینا	نہ آیا شمع روشن کو پسینا
چراغ شام نے کی شام سے لاگ	نہ لی اس کوئلے کے ڈھیر نے آگ
ہوائے آتش مرجان ہوئی سرد	بجائے موج اٹھی آب سے گرد
تنزل بڑھ چلا بالیدگی سے	دبے نشو و نما کاہیدگی سے
ہیولی سی ہر ایک صورت تھی خالی	عروس گل بنی جسم مثالی
صبا کیونکر نہ غم سے زہر کھاتی	دم اژدر بنی روح نباتی
بنا سبزہ زبان مار ارقم	لعاب اژدہا سے بڑھ کے شبنم
خزاں نے سبزہ کے دھوکے میں ہیہات	بنا دی کہربائے سبز بانات
دکھائی جب ہوائے گرمجوشی	گل قالین نے کی پشمینہ پوشی
خزاں کے ڈر سے خون بوستاں خشک	سراسر سبزۂ خط بتان خشک
زمانہ میں بڑھا دن گھٹ گئی رات	نظر آنے لگی ہر سمت ظلمات
لئے کمل غریبوں نے جو اکثر	ہوئے جزو گلیم شب سراسر
شب سرما نہ تھی کچھ بڑھ کے پہیلی	کمر تک اوڑھ لی تھی دن نے کملی
نماز صبح بے احسان تدبیر	ہوئی خود ظہر سے بڑھ کر بغلگیر
ٹھٹھر کر گرمجوشی سے الگ تھا	چراغ شام بھی نیلم کا نگ تھا
ہوا دنیا سے حسن گرم معدوم	رہے پروانہ تک جینے سے محروم
خزاں کے ڈر سے مثل داغ بلبل	چراغ صبح ہو سکتا نہ تھا گل
غرض اس باغ میں آیا جو راہب	ہوا اندوہ و حرماں کا مصاحب
شب غربت گلستاں میں بسر کی	برنگ شبنم گریاں سحر کی
ادا کی اپنے مذہب کے موافق	تضرع سے نماز صبح صادق
اٹھا اس فکر میں کوئی تو مل جائے	جو رستہ منزل مقصد کا بتلائے
نظر آیا چمن سے تھوڑی ہی دور	دبستان عجیب آباد و معمور

سماں دیوار و در سے آشکارا — لپا ہے گائے کے گوبر سے سارا
ہُوا راہب نہایت حیرت اندیش — سرِ دروازہ تھی تصویرِ گنیش
بچھے تھے تختہ چوبیں سراپا — ہر اک تختہ پہ اک کم عمر بیٹھا
کہیں باہم جوان و پیر و کودک — کوئی پوتھی لئے ہے کوئی پستک
کوئی پڑھتا ہے پیشِ چشمِ استاد — کوئی کرتا ہے کچھ بھُولا سبق یاد
کہیں ہے بھاگوت گیتا کا چرچا — مہا بھارت سے رامائن کسی جا
کہیں ہے شاستر کا غل کہیں بید — کسی کو جوتشی بننے کی اُمید
کوئی اشلوک پڑھ کر پوچھتا ہے — کہیں پنگل کا ٹیکا ہو رہا ہے
کہیں شعرا اک طرف گرم بیاں ہیں — کبت دوہرے چھپے کنڈلیاں ہیں
کہیں پنڈت ہیں گرم بید خوانی — پری رُوشن ہے ہیں دیو بانی
کہیں بیدانت ہے میمانسا ہے — کہیں جوگ اور بیدک بدھیا ہے
پرانوں کی کہیں ہوتی ہے تجدید — کہیں ہوتی ہے دیبی پاٹ کی دید
سروں پر پگڑیاں ہیں سب کے خوش رنگ — جبینوں پر ہے قشقوں کا نیا ڈھنگ
جنیئو آڑے ترچھے ہیں طرحدار — پڑے ہیں گردنوں میں پھولوں کے ہار
کھڑاویں پاؤں میں پہنے ہے ہر مرد — بندھے ہیں ریشمی پیتامبر زرد
پڑے ہیں کانوں میں سونے کے بالے — گلوں میں خوشنما تلسی کے مالے
زباں اُنکی نہ سمجھا راہب نیک — نہ سمجھا پنڈتوں میں اُسکی بات ایک
کئی دن میں غرض قسیس عارف — بمشکل کچھ ہُوا بھاکا سے واقف
ہُوا اُس شخص کے مسکن سے محرم — جسے معلوم تھے اسمائے اعظم
ہُوا آخر اُسی جانب روانا — نہ دن دن کو نہ شب شب کو ہی جانا
مُصیبت جھیلتا آفت اُٹھاتا — بھٹکتا ٹھوکریں بن بن کے کھاتا
پہاڑوں پر کبھی چڑھ کر اُترتا — کبھی صحرا و دریا سے گذرتا
رہا گاہِ گرفتارِ بلا وہ — کبھی بھوکا کبھی پیاسا چلا وہ
خدا نے فتنہ و شر سے بچایا — نہنگ و شیر اژدر سے بچایا

منیر شکوہ آبادی

(۷)

تیار ہوئی برات ساری — نکلی نوشاہ کی سواری
لایا سکھپال راجہ دھرا — ہر در پہ ہوا زنانہ پہرا
پینس ڈیوڑھی پہ سب لگا کر — باہر ٹھیرے کہار آ کر
بولی دروازے سے محلدار — سب آئیں سواریاں ہیں تیار
پہنچیں جا کر کماریاں جب — آنے لگیں پھر تو سمدھنیں سب
ایک ایک پہ وہ غضب کا عالم — وہ چال وہ گھنگھرو کی چھم چھم
ہر ایک پاؤں سے لیکے تا فرق — دریا میں جواہرات کے غرق
وہ عطر کی بھینی بھینی بو باس — اسکے سایہ سے اسکو وسواس
چلیں آپس میں کرتی جاتیں — سسکی ہر بار بھرتی جاتیں
چہروں پہ بھولے پن سے نرمی — شوخی سے مزاج میں وہ گرمی
حسن نکلیں دبال جی کا — رخساروں سے انگ صبح پھیکا
ایک اپنی لوا کو پوچھتی تھی — ایک اپنی دوا کو پوچھتی تھی
ایک کہتی کینگی ادھر آ — گھنگھرو والے چھڑے اٹھا لا
اک کہتی تھی کوئی دوڑ جانا — جلدی مرادست پاک لانا
اک کہتی تھی جلد جاؤ لوگو — کیا کرتے ہیں سب کو لاؤ لوگو
اک کہتی کہ خاصدان لاؤ — اک کہتی کہاروں کو بلاؤ
کچھ دیر غرض پکار ہو کر — بیٹھیں وہ سب سوار ہو کر
اٹھی ڈیوڑھی سے جو سواری — ہمراہ تھی برق وش کماری
جس وقت ہوئیں سواریاں سب — پہنچی یہ خبر وزیر کو تب
بڑھ کر فرمان شاہ لایا — سامان برات کا بڑھایا
ہاتھی پہلے چلا نشان کا — بعد اسکے سب جلوس اُن کا
آگے آگے تھے باجے والے — بعد انکے سوار ونکے رسالے
ایک ایک وہ برق زرق پلٹن — باجے انکے وہ رشک ارغن
ہر تخت رواں پہ جمگھٹا تھا — پریوں کا ناچ ہو رہا تھا

طبلے پر تھاپ پڑ رہی تھی — آواز ہوا سے لڑ رہی تھی
سونے کے پنجشاخے روشن — مزدور ہزاروں مرد اور زن
نوبت کی ٹکور اک طرف کو — نقاروں کا شور اک طرف کو
صدہا وہ لالٹینوں والے — روشن جن کے دلوں کے لالے
وہ کشتیاں جو کہ دل ڈبو دیں — طوفاں میں نوح کی خبر لیں
وہ ماہی مراتب اور وہ سایبان — وہ باد بہاری اک طرف وا
اسواری کا بعد ازاں ہوا غل — دن ہو گیا روشنی سے بالکل
پہلے تو جلوس خاص شاہی — جوڑے پہنے خواص شاہی
بعد اُس کے اور دل کے دَل تھے — ہاتھوں میں لئے ہوئے کنول تھے
جلتا ہوا مشک و عود و عنبر — خوشبو سے مشام جان معطر
حسن بستہ چوبدار صدہا — ناظر تمکین عذار صدہا
گھوڑوں پہ افسران ممتاز — ایک ایک نقیب خوش آواز
ڈنکا ہوتا تھا ہر قدم پر — شہنا کے سر اُٹھائے تھے سر
اک اک ہاتھی دُلھن بنا تھا — مستوں کی طرح جھومتا تھا
جھولیں تھیں گلشن نگارین — حوضوں میں حسن صنعت چین
یوں بیاہنے چلا وہ نوشاہ — نکلے تاروں میں جس طرح ماہ
ہے لطف کلام مختصر کا — اب ذکر سنو دُلھن کے گھر کا
واں شام سے تھی اک انتظاری — تیاری برات کی تھی ساری
ہر سمت کو اتنی روشنی تھی — چاروں طرف آگ سی لگی تھی
گلزار خلیل تھا وہ گلزار — اک ابر دھوئیں کا تھا دھواں دھار
گلشن میں چبوترا بنا تھا — خیمہ اُس پر بھی اک تنا تھا
یاقوت کی بارگاہ تھی وہ — دولھا کی نشستگاہ تھی وہ
سُتھری سُتھری زنانی محفل — مردانی بزم کے مقابل
پریاں جس پر پھڑک رہی تھیں — حوریں غرفوں سے تک رہی تھیں
محفل تھی رشک باغ شداد — حوریں تھیں سب کی سب پری زاد

کوٹھوں پہ بہت سی چڑھ گئی تھیں　　کچھ غرفوں سے بیٹھی جھانکتی تھیں
سب کمسنیں سیر کر رہی تھیں　　مہتابی پہ چڑھ اتر رہی تھیں
اک کہتی تھی اے بوا سمن بر　　کیا روشنی ہو رہی ہے باہر
سُرخی سب راہ میں پڑی ہے　　آتشبازی وہ سب گڑی ہے
یہ کہتی تھی وہ ابھی سمن سے　　ناگاہ صدا جو آئی دن سے
اک بولی یہ کیا محل میں ٹوٹا　　اک بولی کہ ناسپال چھوٹا
اک بولی کہ ایسی میری ننھی　　یہ توپ چلی ہے داخلے کی
اک بولی اری برات آئی　　وہ بولی کہ جی برات آئی
ہیں ناکے پہ بیشمار توپیں　　چلتی ہیں بار بار توپیں
دیکھو یہ جلوس ہے یہاں کا　　ہاتھی ہے وہ سلطنت نشاں کا
وہ تخت ہیں اور وہ باجے والے　　یہ پلٹنیں سب ہیں وہ رسالے
یہ کہہ رہی تھی ابھی وہ ذیجاہ　　آتشبازی چھٹی جو ناگاہ
اک بولی کہ واہ کیا مزا ہے　　وہ دیو پری کو لے اڑا ہے
اک بولی ارے انار کیا ہیں　　آدیزے یہ کتنے خوشنما ہیں
اک بولی کہ یہ نہ کام دیکھو　　سب ایک طرف قیام دیکھو
اک زانو پہ بولی مار کر ہات　　کیا طرفہ ہے گلشن طلسمات
اک بولی کہ دید وا گ اسکو　　للہ بہن ادھر تو دیکھو
دیکھا تو وہ بولی ہائے جانی　　آپہنچیں سواریاں زنانی
مجمع در دا... سے پرے پڑا ہے　　ہاتھی دولھا کا بھی کھڑا ہے
اک بولی کہ ہائے کیا سماں ہے　　اک بولی کہ کیا پری جواں ہے
اک بولی کہ حف نظر نہیں واہ　　منہ دکھتا تھا کہتے ماشاء اللہ
دیکھے جو کوئی بری نظر سے　　غارت ہو جائے آنکھ پھوٹے
اک بولی کہ بس لڑو نہ لے بی　　اتنوں میں کوئی نہیں ندیدی
مرغوب ہے سب کو اچھی صورت　　پر سچ ہے اپنی اپنی قسمت
اک بولی چلو یہاں سے للہ　　اب آئیگا کوئی دم میں نوشاہ

اب سیر ہے واں کی قابل دید — ہو ئیگی دلھن کی ہاں کو اک عید
آگے پیچھے قطار باندھی — اک اک چلی اُس سے جیسے آندھی
خنداں سرو رشاد آئیں — گلشن میں برنگ باد آئیں
دیکھا تو ہے سمدھنوں کا مجمع — تصویروں سے پُر ہے وہ مرقع
دولھا بھی محل میں آ چکا ہے — تل شکر کھا کے جا چُکا ہے
بیٹھی افسوس کر کے وہ گل — واں عقد کا دفعتہً ہُوا غُل
پردہ ہُوا قاضی صاحب آئے — گانے والوں نے منہ تھُوتھائے
بولے وہ دلھن کے پاس آکر — دولھا کے نام کو بتاکر
اس گل سے تمہارا عقد پڑھ دوں — سب کے کہنے سے اُس نے کی ہوں
قاضی نے کہا کہ لو مبارک — سب بولے یہ عقد ہو مُبارک
پاکر اُس گُلبدن کو راضی — آئے محفل میں اُٹھ کے قاضی
واں طرفہ سماں بندھا ہُوا تھا — اک رنڈی کا ناچ ہو رہا تھا
گاتی تھی گیت یہ نرالا — ہریالہ بنا مرادوں والا
ناگہ اک چوبدار آیا — یوں ہاتھ اُٹھا کے راگ لایا
کیا کہنا میاں پکھاوُجی واہ — طبلہ نہ بس اب بجاؤ جی واہ
قاضی صاحب ہیں لائے تشریف — نوشاہ بھی اب کرینگے تکلیف
موقوف کرو یہ ناچ گانا — آپہنچا عقد کا زمانا
القصہ چگل کا ماہ اُٹھا — نوشاہ کو لے کے شاہ اُٹھا
ایجاب و قبول جب ہوئے دل — صیغے پڑھے عقد کے بلا فصل
کچھ مہر میں بھی ہُوئی نہ حجت — کی قاضی نے عقد پڑھ کے فرصت
پوری ہُوئیں شرع کی جو رسمیں — دی جان اپنی پرائے بس میں
دُولھا کا ہُوا ن پہ قابو — آنکھوں میں شہ کے آئے آنسو
اندر سے کشتیاں جو آئیں — خلعت میں قاضیوں نے پائیں
فرصت ہُوئی عقد سے جو ناگاہ — بلوایا گیا محل میں نوشاہ
بہنیں بنی سالیاں طرحدار — آنچل ڈولے الگ سے اکبار

ایوان جواہرین میں آئیں — نوشاہ کو شہ نشیں میں لائیں
سب جاکے عروس کو بھی لائے — بیٹھی مسند پہ سر جھکائے
میراسنوں نے جو گائے ٹونے — ہنسیاں لگیں عورتوں میں ہنسنے
بعد اسکے سُرخ اک دوشالا — لاکر دولہا دُلہن پہ ڈالا
اک جا بیٹھے عروس و داماد — محبوب بنی بنا پریزاد
سیارے سے قطب کا قِران تھا — مصحف آئینہ درمیان تھا
نکلا اخلاص کا جو سورا — اُلفت کا ہُوا یقیں پُورا
یکجا جو مہر و مہ کو پایا — حیرت میں آئینہ بھی آیا
حیران اک اک کے مُنہ کو تکتا — کچھ صورت حال کہہ نہ سکتا
جب ہو چکے ریت رسم سارے — ہنس کر مہمان یہ پُکارے
اے لعل دُر عدن مبارک — نوشاہ بنے دُلہن مبارک
جب باہنی ڈومنی نے گائی — ایک ایک کی آنکھ بھر بھر آئی
شادی میں غم کا بھی سماں تھا — کہرام محل کے درمیان تھا
ملنے لگے سب دُلہن سے آکر — رو دئے باہم گلے لگا کر
اسواریاں در پر آگئیں کل — رخصت کا اک بپا ہُوا غل
دُولہا نے دُلھن کو جب اُٹھایا — آغوش قمر میں ماہ آیا
سارا وہی شب کا کرّوفر تھا — ہمراہ جہیز مختصر تھا
تھی جادۂ کہکشاں سے جوڑا — نوشاہ دُلہن کو لیچلا بیاہ
وہ تاروں کی چھاؤں وہ زمانا — عالم بھی وقت بھی سہانا
دولہا کے ساتھ سب براتی — وہ روشنی جھلملائی جاتی
بجھنے کے قریب مشعل ماہ — دَور شب وصل یار کوتاہ
غنچوں کا نسیم سے وہ کھلنا — وہ لطف وہ دونوں وقت ملنا
کس شوق سے دیکھنے یہ سامان — آیا گردوں پہ مہر تاباں
پہنچی وہ برات شہر میں جب — کوٹھوں پہ چڑھ آئے دیکھنے سب
یوں ایک نے ایک کو سُنایا — بنرا بنری کو بیاہ لایا

آپہنچیں سواریاں جو در پر — اک دھوم ہوئی محل کے اندر
بکرا ہوا ذبح جس گھڑی واں — ظاہر ہوئی صبح عید قرباں
دولھا نے اٹھا لیا دلہن کو — تازہ سا یہ گل ملا چمن کو
اک بارہ دری جہل چمن میں — اس طرح تھی جیسے جان تن میں
دلبر کو اپنے بر میں لایا — لا کر مسند پہ واں بٹھایا
کی حمد بصد نیاز اس نے — دامن پہ پڑھی نماز اس نے
شیرینی جو حسب رسم آئی — دونوں نے مل کے کھیر کھائی
اک بھائی دلہن کا تھا چچازاد — لینے آیا وہ بادل شاد
چوبھے سے ذرا ظہور کھا کر — اٹھا وہ سب سے اذن پا کر
لے کر اس ماہ کو بصد جاہ — منزل کی کہکشاں سے لی راہ
مسند بچھی جو تھی دلہن کی — نکہت تھی سب اس میں اس کے تن کی
سمجھا چکے جبکہ خاص اور عام — دولھا نے کیا وہیں پہ آرام
اٹھا آرام سے جو وہ گل — چوتھی جانے کا گھر میں تھا غل
القصہ وہ ماہ مہر اندام — نکلا تاروں میں پھر سر شام
پہنچے جب گلشن ارم میں — کچھ اور سماں تھا ایک دم میں
پہلے گنگنے سے چوتھی کھیلی — جو چوٹ چلی جگر پہ لے لی
ہلکے گو پھول سے ثمر تھے — پژمردہ غم سے سر بسر تھے
ڈر تھا کہ یہ پھول سے بدن ہیں — نازک مانند یاسمن ہیں
کچھ ان پہ غم نہاں نہ گذرے — چوٹ اپنی کہیں گراں نہ گذرے
ہاتھوں سے جب اچٹ کے گرتے — گرتے تو بدن سے ہٹ کے گرتے
جب تک کھلوائی دو سنی نے — چوتھی کھیلی بنے بنی نے
دل لوٹتا تھا قمر جہاں کا — پر قفل سکوت تھا دہاں کا
بارے یہ ہزار امید واری — رخصت ہونے کی آئی باری
لے کر اپنی پری سلیماں — آیا عشرت محل میں شاداں

ہوش

(۸)

خط کو ہے بیسواں دن آج آئیں گے وہ ضرور ہی
"ان" کی صدا سنتے تو پھر ہو نہ سکے جگر سے صبر
کیا میں جگر کو تھام لوں کیا میں نظر کو پھیر لوں
"ان" کی کشش ہیں آکے رخ پھر نہ سکے تو کیا کروں
اور اگر نہ آئے "وہ" ہائے یہ شک ستم کا ہے
شک سے پڑی ہے سوچ میں ڈرتی ہوں یاس آ نہ جائے
آتے ہی یاس کا خیال کانپ اٹھی ہوں ڈر کے میں
یاس سے ہوں جلی ہوئی اسکو میں جھونکوں بھاڑ میں
آئینگے یا نہ آئینگے دل مرا کاش بول دے
بول اٹھا وہ میرا دل کہتا ہے آ رہے ہیں "وہ"
دیکھ رہی ہوں آرسی، چہرے پہ رنگ آ گیا
دل کو ملا کہاں سے رنگ اس کو ملا امید سے
کل مرے سر میں تھا جنون آج ہے کچھ غرور سا
اپنے لبوں پہ بار بار پاتی ہوں میں تبسم آج
گھر کی زمین جاگ اٹھی صحن پہ نور چھا گیا
ناچ رہا ہے خوب آج سن کے ہوا ہے مور خوش
آکے پپیہے پیڑ پر اب جو کہیں گے "پی کہاں"
دل تو خفا نہیں مگر میری نظر جھجکی رہے
پا سکے انہیں "رکے زباں" اس میں کہاں یہ ضبط ہے
بننے کو میں بنوں مگر بن بھی سکوں گی یا نہیں
بن کے شگفتگی خوشی رخ سے جو کھل پڑے تو پھر
ہونٹھ تو میرے بس کے ہیں انکو سکھاؤں جنگ میں
ترسی ہوئی ہیں پتلیاں چین سے کب یہ رہ سکیں
دل یہ کہے گا میل کر لب یہ کہیں گے بول دے

کیا میں کھنچی ہوئی رہوں "ان" کی نظر سے دور ہی
پا سکے انہیں کبھی نہ ہو ترسی ہوئی نظر سے صبر
کیا "وہ" ادھر سے آئیں تو رخ میں ادھر کو پھیر لوں
دل سے کروں تو زور میں دل جو تھکے تو کیا کروں
آ مرے دل میں او امید وقت ترے کرم کا ہے
اس سے چڑھی ہوئی ہوں میں وہ مرے پاس آ نہ جائے
ڈر نہیں دل میں ورنہ آج بیٹھتی بند کر کے میں
ہٹ مرے دل سے او شک آج، یاس ہے تیری آڑ میں
ناخن اگر بنے تو یہ شک کی گرہ کو کھول دے
میرے لئے بہت سا چین تحفے میں لائے ہیں "وہ"
دل نے کیا ہے سرخ رو ورنہ کہاں سے پا گیا
پائے گا یہ کچھ اور بھی آج ہی "ان" کی دید سے
کل مرے دل میں تھا ملال آج ہے کچھ سرور سا
خوش رہو اے مرے لبو کہتے ہو اور کچھ "تم آج
آئیں گے "وہ"، ضرور ہی مجھ کو یقیں آ گیا
اس کو بھی مل گئی خبر چہچہاتا ہے کیا چکور خوش
ان سے کہوں گی ہنس کے میں بیٹھے ہیں دیکھو پی یہاں
بعد کو بات چیت ہو پہلے زباں رکی رہے
اس کو تو بول چال میں ان کی زباں سے ربط ہے
تانے کو میں تنوں مگر تن بھی سکوں گی یا نہیں
لطف کے ساتھ کر کے میل ان سے نظر لڑے تو پھر
لیکن اڑاؤں کس طرح رخ سے خوشی کا رنگ میں
شوق سے بیقرار ہوں، گرچہ یہ کچھ نہ کہہ سکیں
حسن کہے گا ہاتھ سے تو مرے رخ کو کھول دے

آپ ہی بڑھ چلیں گے پاؤں، آؤں گی ہٹ کے سامنے
لائیں گی شوخیاں مجھے، گھونگھٹ اُلٹ کے سامنے

شکل کشش کی بن پڑی، دل کو جو روک تھام لوں
صبر کی دل میں ٹھان لوں، جبر سے دل پہ کام لوں

بن کے بلائیں اُن کے سر، کج پڑوں ضرور ہی تو
دل میں ہنسا کروں، مگر مُنہ سے لڑوں ضرور ہی

خط میں سگلے میں لکھ چکی، اور گلوں میں لطف ہے
ہو گی مزے کی نوک جھونک، گرچہ دلوں میں لطف ہے

آنکھ مری جو اُٹھ ہی جائے، جلد نظر کو پھیر لوں
صرف نظر ہی کو نہیں، بلکہ میں سر کو پھیر لوں

آئیں جو رُخ کی سمت "وہ" ہاتھوں سے منہ چھپاؤں میں
جھانک کے اُنگلیوں سے ہاں، دیکھوں جو دیکھ پاؤں میں

دانت مرے دبائیں گے تاکہ رہے زبان بند
کچھ "وہ" کہیں تو اُنگلیاں اُٹھ کے کریں گی کان بند

ایک پلک سے دوسری بند رہے ملی رہے
جیسے انار کی کلی سوکھ کے بے کھلی رہے

نیچے کے لب پہ دانت ہوں، اور نظر زمیں پہ ہو
ہاتھ مرے جگر پہ ہو، اور شکن جبیں پہ ہو

میرے لبوں پہ گر ہنسی آئے گی چھیڑ چھاڑ میں
ہاتھ میں لے کے پنکھیا، مُنہ کو کروں گی آڑ میں

لب نہ ہلیں خدا کرے، میں جو اُنہیں ہلاؤں بھی
"اُن سے ملیں نہ چتونیں" میں جو اُنہیں ملاؤں بھی

سر کو میں اُٹھاؤں بھی تو نہ اُٹھے جھکا رہے
دل کو جو میں بڑھاؤں بھی تو نہ بڑھے، رُکا رہے

کچھ جو "وہ" دیں تو یوں نہ لوں، لوں تو نہیں نہیں کے بعد
لاکھ رکاوٹوں کے بعد، لاکھ چناں چنیں کے بعد

بول اُٹھوں تو ہو جدا اُن سے روش زبان کی
"وہ" جو کہیں زمین کی، میں کہوں آسمان کی

"وہ" مرے خط کی چٹکیاں یاد دلائیں گے مجھے
چھیڑنے کو ہنسیں گے خود اور ہنسائیں گے مجھے

مکر سے بدگماں بنوں، اپنی ہی رکھوں ٹیک میں
لاکھ نہیں نہیں کریں، اُن کی نہ مانوں ایک میں

دل جو نہ مانے تو اُنہیں ترچھی نظر سے دیکھ لوں
ہے کواڑ میں دراز، جا کے اُدھر سے دیکھ لوں

مجھ سے "وہ" مانگیں یا نہیں، دوں گی ضرور پان میں
پھیر کے مُنہ بڑھاؤں گی ہاتھ سے خاص دان میں

میری دغا کے جال میں کیا "وہ" اُلجھ ہی جائیں گے
صاف ہیں دل کی عورتیں، یہ "وہ" سمجھ ہی جائیں گے

"آئی لبوں پہ "وہ" ہنسی" یہ کہیں اور ہنسائیں تو
لاکھ دباؤں میں مگر، لب مرے کھل ہی جائیں تو

دل میں جو گدگدی سی ہو، رُک نہ سکے کبھی ہنسی
باتیں ہی یہ ہنسی کی ہیں، آنے لگی ابھی ہنسی

اُنہہ! مجھے اس کا سوچ کیا، دل میں تو رنج ہے نہیں
اپنی وفا کو چھوڑ دے، دل مرا ایسی شے نہیں

دل میں بسے ہوئے ہیں "وہ" اس میں خیال انہیں کا ہے
دل مرا ہے "وہ" آئینہ، جس میں جمال انہیں کا ہے

پھیلے ہیں روح بن کے "وہ" میرے تمام جسم میں
میری حیات ہیں "وہی"، جان ہے نام جسم میں

ادھر سے دل کشش کچھ اور، تاکہ "وہ" کھنچ کے آ ہی جائیں
میں انہیں جلد پا ہی جاؤں، "وہ" مجھے جلد پا ہی جائیں

جنگ کو ہو رہی ہے دیر اور وہ مزے کی بات ہے
دل کو لبھائے ناز سے حسن کی یہ بھی گھات ہے

اب تو یہ فکر ہے کہ آج کچھ تو سنگار چاہیئے
ٹوٹ گیا ہے کل بلاق، سونے کا تار چاہیئے

شوق کے پاس بھیج دوں ایک سنہرا سا تار کیا
دام نہ لیں وہ، تو نہ لیں، تار کا ایسا بار کیا

ہاتھوں میں چوڑیاں ہیں کم ٹوٹ کے گر گئیں کئی
آئیں گے اب بڑے میاں ان سے منگاؤں گی نئی

مجھ کو بھی سادگی پسند، ان کو بھی سادگی پسند
پہنوں سپید ہی لباس ہوگا انہیں یہی پسند

بیلیں ہوں یا ہوں بوٹیاں جچتی ہیں کامدانیاں
چند دوپٹے پھاڑ لوں رکھی ہیں جامدانیاں

بیل کناری کی ابھی چوک سے میں منگا نہ لوں
آئی ہے اچھی ایک بیل اس کو بھی لوں میں یا نہ لوں

بیل چکن کی ہے مگر کچھ بھی نہیں ڈبل خراب
ایک تو شربتی بری، دوسرے قینچی خراب

کس سے منگاؤں بیل میں سب سے خفا ہیں لوگ آج
لڑکے گئے وہاں سے وہ بگڑے ہوئے ہیں تیہ آج

کیوں نہ کہوں بلا سے میں خود وہ بناتی ہیں کناڈ
چک سے لیتی تھیں وہ جائے جو لیتے نام یاد

ہار میں گوندھ لوں اگر پھول ہوں خانہ باغ میں
اب کے برس تو موگرا گھر میں کھلا نہ باغ میں

ہو ہی رہے گا یہ تو سب، مجھ کو خیال ایک ہے
ساس "چپ اور زبان چپ" تند مزاج و نیک ہے

اس کی سی ہیں کی گاتھ اور کوئی نہ ہوگی شہر میں
رکھی ہے منہ میں اک چھری اس نے بجھا کے زہر میں

جب وہ جلن سے لال ہو، گال ہوں گرم دو توے
خود تو ہے لنس اور دانت جیسے چھلے ہوئے چنے

دیکھ کے یہ چمک دمک وہ مرے روپ سے جلے
ریت میں کوئی جس طرح جیٹھ کی دھوپ سے جلے

آج مجھے بھی ہے گھمنڈ، طنز کا کچھ بھی غم نہیں
اس کو جو ہے "کسی پہ ناز" میں بھی کچھ اس سے کم نہیں

لیتی ہے دل میں چٹکیاں کرتی ہے دل کا خون وہ
لاتی ہے گھر سے اپنے ساتھ میرے لئے جنون وہ

اے لو "حضور" آ گئے بندی سنورتی ہی رہی
بن نہ پڑا سنگار کچھ، حوصلہ کرتی ہی رہی

شوق قدوائی

مراثی

گھوڑے کی تعریف

(۱)

آہو کی آنکھ شیر کی چتون غضب کی چال — وہ بال تھے کہ حور نے بکھرا دیئے تھے بال
گردن کے خم کو دیکھ کے ہو سرنگوں ہلال — پوچھے کوئی سوار سے شائستگی کا حال
اُڑ کر زمیں تلک کبھی گرد قدم گئی
جب بس کہا چمکتی ہوئی برق تھم گئی

جرأت میں بے شک شیر تو ہیکل میں ہیلتن — پوئی کے وقت کبک دری جست میں ہرن
بجلی کسی جگہ تو کہیں ابر قطرہ زن — بن بن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن
سیماب تھا زمیں پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

پیکاں ہیں یا کنوتیاں ہنگامِ دار و گیر — حلقے سے یوں نکلتا ہے جیسے کماں سے تیر
روئیں وہ نرم جلد وہ باریک بے نظیر — چینی پرند جس سے مقابل نہ ہے حریر
ایسی سبک روی نہیں دیکھی شتاب میں
دوڑے تو فرق آئے نہ مخمل کے خواب میں

خوش خو خوش خرام خوش اندام و خوش لگام — خوش رو و خوش جمال ادا فہم و تیز گام
جاں دار و شوخ چشم و سعید و خجستہ کام — گل پوش تیز ہوش سمن گوش لالہ فام
غازی تھا سرفراز تھا عالی دماغ تھا
گویا ہوا کے دوش پہ اک زندہ باغ تھا

چالاکیاں بھی فیض بھی غیرت بھی جنگ بھی — بالا دوی براق کی دلدل کا ڈھنگ بھی

بریں اسد بھی بحرِ وغا میں نہنگ بھی　　گھوڑا بھی شیر نر بھی ہرن بھی پلنگ بھی
ہے آگ کا مزاج تو سرعت ہوا کی ہے
اضداد اتنے جمع ہیں قدرت خدا کی ہے

گھوڑا

رہوار سبک سیر نسیم سحری تھا　　ہم پیکر طاؤس دم جلوہ گری تھا
تن تن کے اٹھانے میں قدم کبکِ دری تھا　　کاوے میں جو پرکار تو اڑنے میں پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایہ بھی نہ اس کا نظر آتا تھا کسی کو
غصے میں وہ تن تن کے دہانے کو چباتا　　اور جوش شجاعت میں وہ کف منہ سے گراتا
ہر صف میں کبھی جھوم کے آتا کبھی جاتا　　تلوار کی زو سے کبھی آقا کو بچاتا
ٹاپوں سے دہلتی تھی زمیں حشر بپا تھا
اس صف میں جو بجلی تھا تو اس صف میں ہوا تھا

تلوار

جلوہ کیا بدلی سے نکل کر مہِ نو نے　　دکھلائے ہوا میں دو سرا اک شمع کی لو نے
تڑپا دیا بجلی کو فرس کی تگ و دو نے　　تاکا سپرِ مہر کو شمشیر کی ضو نے
اعدا تو چھپانے لگے ڈھالوں میں سروں کو
جبریل نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو
بجلی سی جو گر کر صفِ کفار سے نکلی　　آوازِ بزن تیغ کی جھنکار سے نکلی
گر ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی　　در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی
تھے بند خطا کاروں پہ در امن و اماں کے
چلّے بھی چھپے جاتے تھے گوشوں میں کماں کے

افلاک پہ چمکی کبھی سر پر کبھی آئی — کوندی کبھی جوشن پہ سپر پر کبھی آئی
گھر گئی سینہ پہ جگر پر کبھی آئی — تڑپی کبھی پہلو پہ کمر پر کبھی آئی
طے کرکے پھری کونسا قصہ تھا فرس کا
باقی تھا جو کچھ کاٹ وہ حصہ تھا فرس کا

بے پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی — ندی اُدھر اک خوں کی اُبلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی — پی پی کے لہو لعل اُگلتی ہوئی آئی
سبزہ تھا بدن - رنگ زمرد سے کھرا تھا
جوہر نہ کہو، پیٹ جواہر سے بھرا تھا

جس مورچے میں لیلیٰ تیغ دو سر گئی — چنگے بھلوں کو سایہ سے دیوانہ کر گئی
ہر صف کی خاک اُڑائی اِدھر سے اُدھر گئی — پھر یہ نہا نہا کے لہو میں نکھر گئی
عالم نہ پوچھو قطرہ فشانی کے حسن کا
جوبن ٹپک رہا تھا جوانی کے حسن کا

آگے کبھی بڑھی کبھی پیچھے کو پھر پڑی — سر پر جو لڑکھڑائی تو شانوں پہ گر پڑی
تجویز جو لعینوں نے کی وہ مضر پڑی — اُفتاد اُن سے پوچھئے یہ جن کے سر پڑی
اُٹھی، گری، بلند ہوئی، پست ہو گئی
پی پی کے مئے کشتوں کا لہو مست ہو گئی

چھائی جو سر پہ شامیوں کے رات ہو گئی — ان کی زمین پردۂ ظلمات ہو گئی
برسا وہ مینہ سروں کا کہ برسات ہو گئی — معجز نمائی اس کے لئے بات ہو گئی
تاثیر چشم زخم بدوں کو دکھا گئی
مثل نظر بدن کو لگی اور کھا گئی

نیزے تنے تو اُس نے کہا دیکھے بھالے ہیں — بچتی نہ خنجروں سے کہ گودی کے پالے ہیں
برسے جو تیر سمجھے کمانوں کے نالے ہیں — اُٹھے جو گرز بولی کہ منہ کے نوالے ہیں
ننگ اپنا جان کر نہ کسی سے بگڑتی تھی
ہر پھر کے آپ اپنی طبیعت سے لڑتی تھی

نمودِ صبح

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح
ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح
ہر سُو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے رُوئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہُوئے رواں
چُنتے چمن سے پھُولوں کو جیسے طرح باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں
مُرجھا کے گر گئے ثمرِ شاخِ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پژمُردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھُپنا وُہ ماہتاب کا وُہ نور کا ظہُور
یادِ خُدا میں زمزمہ پردازیٔ طیُور
وُہ رونق اور وُہ سرد ہوا وُہ فضا وُہ نور
خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انساں زمیں پہ محو ملک آسمان پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر

وُہ سرخیٔ شفق کی ادھر چرخ پر بہار
وُہ بار ور درخت وُہ صحرا وُہ سبزہ زار
شبنم کے وُہ گلوں پہ گہر ہائے آبدار
پھُولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھُلے ہُوئے وُہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وُہ جھونکے نسیم کے

ظہورِ صبح

پھُولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
گلزارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح
سرگرم ذکرِ حق ہُوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھِلتا ہے جیسے پھُول چمن میں گلاب کا

چلنا وُہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دمبدم　　مُرغانِ باغ کی وُہ خوش الحانیاں بہم
وُہ آب و تاب سبزہ، موجوں کا پیچ و خم　　سردی ہوائیں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہُوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہُوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وُہ سبزہ زار　　تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار　　کوکو وُہ قمریوں کی وُہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سُو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وُہ آفتاب کی وُہ صبح کا سماں　　تھا جس کی ضَو سے وجد میں طاؤسِ آسماں
ذرّوں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں　　نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

نورِ ظہور کا وقت

وہ صبح اور وُہ چھاؤں ستاروں کی اور وُہ نور　　دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور　　وُہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خوانِ طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوا، وُہ سبزۂ صحرا کی وُہ لہک　　شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وُہ جھومنا درختوں کا وُہ پھولوں کی مہک　　ہر برگِ گُل پہ قطرۂ شبنم کی وُہ چمک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وُہ نور اور وُہ دشت سہانا سا وُہ فضا　　درّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وُہ جوشِ گل وُہ نالۂ مرغانِ خوش نوا　　سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا

پھولوں سے کے سبز سبز شجر سُرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وُہ دشت وُہ نسیم کے جھونکے وُہ سبزہ زار — پھولوں پہ جا بجا وُہ گہرہائے آب دار
اُٹھنا وُہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار — بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زہر گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

وُہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم — کو کو کا شور نالۂ حق سرّہ کی دھوم
سُبحان ربّنا کی صدا تھی علی العموم — جاری تھے وُہ جو اس کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ عُلا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح

معرکۂ جنگ

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزہ کو دی تکاں — چمکی اتی تو برق پُکاری کہ الاماں
اک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہاں — ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وُہ افعی لپٹ گیا

جھنجھلا کے چوب نیزہ کو لایا وُہ فرق پر — قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ یہ مارا بچا کے سر
دو اُنگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر — جھٹکا دیا کہ جُھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو اُنگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

سنبھلا وُہ بے شعور یہ جھٹکا اُٹھا کے جب — قبضہ میں لی کمان کیانی بہ صد غضب
چلّہ میں تیر جوڑ چکا جب وُہ بے ادب — تیوری چڑھائی قاسمِ نوشاہ نے بھی تب
تیرِ نگاہ سے وُہ خطا کار ڈر گیا
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلّہ اُتر گیا

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد — تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیِ حسد — کہتا تھا بازوئے شہِ دیں، یا علی مدد
یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جہول کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

لایا جو حرفِ سخت زباں پر وہ بدخصال — جھپٹا مثالِ شیرِ درندہ حسن کا لال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال — اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اس کی سپر سے ڈھال
ادھیڑ لگی کہ ہوش اڑے خودپسند کے
گھوڑے کے پاؤں رکھ دیئے سر پر سمند کے

عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا — ہاں اب نہ جانے دیجیؤ احسنت مرحبا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا — سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا
گھوڑا ابھی اس طرف کو، ادھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

نیزے ہلے، وہ چل گئیں چوٹیں کہ الاماں — ہر طعن قہر کی تھی، قیامت کی ہر تکاں
چنگاریاں اڑیں جو سناں سے لڑی سناں — دو اژدہے گتھے تھے نکالے ہوئے زباں
پھیلے شرر، پرندوں کی جانیں ہوا ہوئیں
شمعوں کی تھیں لویں کہ ملیں اور جدا ہوئیں

ان کا نہ ایک وار نہ اس کے ہزار بند — بڑھ بڑھ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
کیا نیزہ بازی میں تھا بار بار بند — چوٹوں سے نیلگوں تھے جفاجو کے چار بند
خالی گئی نہ فرق کی نہ دست و پا کی چوٹ
کھلتی بھی ہے بندھی ہوئی مشکل کشا کی چوٹ

ڈوبی گرہ میں نیزۂ ظالم کی جب سناں — گھوڑا اڑا کے ہاتھ کو اکبر نے دی تکاں
اللہ رے زور اٹھ گیا گھوڑے سے پہلواں — دستِ شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈ ناگہاں
نیزہ کے ساتھ شور اٹھا اس گروہ سے
لو اژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے

ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کمر سے تیغ   بدلا تھا اُس نے ٹھاٹ کہ چمکی ادھر سے تیغ
دو چار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ   چلنے میں گھٹتی بڑھتی تھی کس کس ہنر سے تیغ

چمکی سپر کے پاس، کبھی برق کی مثال   شانہ پہ آئی سینہ پہ لی جب شقی نے ڈھال
سر کو بچا کے کاٹ گئی، وُہ زرہ کا جال   چوٹیں کڑی پڑی تھیں کہ مضطر تھا بد خصال
روکے کسے؟ جواب کسے دے؟ کدھر پھرے؟
بجلی کے ساتھ کہاں تک سپر پھرے؟

چمکی جو تیغ، ڈھال وُہ لایا قریب سر   اِک برق سی گری کہ دو پارہ ہوئی سپر
مغفر سے سر میں تھی، سر و گردن سے صدر پر   سینہ سے جب بڑھی تو ہوا تب وُہ باخبر
سب نشۂ غرورِ جوانی اُتر گیا
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

تو لاشقی نے سنتے ہی یہ گرز گاؤ سر   اکبرؑ نے دوش پاک سے لی ہاتھ میں سپر
آیا اُدھر سے گرز اِدھر سے چلا تبر   دو ہو گیا عمود مثالِ خیار تر
گرز اِس طرح نکل گیا نیچے سے چھوٹ کے
سمجھے یہ سب زمیں پہ گرا ہاتھ ٹوٹ کے

بھالا سنبھالا دشمن ایماں نے مل کے ہاتھ   نیزے کے چار پانچ نکالے سنبھل کے ہاتھ
پہلے ہی بک چکا تھا ستمگر اجل کے ہاتھ   بڑھتا نہ تھا جو پاؤں تو رُکتا تھا چل کے ہاتھ
کم تھے نہ یہ بھی زور میں گر وہ زیاد تھا
نیزے کے بند بند کا توڑ ان کو یاد تھا

رکھ کر تبر نیام سے لی تیغ شعلہ ور   تھرا کے خود اماں نے صدا دی کہ الحذر
بھالے کے ہاتھ بھول گیا سب وُہ خیرہ سر   یہ بھی اُدھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر
جاتا کدھر یہ تیغ سے جائے اماں نہ تھی
دیکھا جو غور سے تو سناں کی زباں نہ تھی

بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وُہ خود پسند   کھولے تمام نیزہ سپہ زادگر کے بند

پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجھلا کے پھر کمند　　سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند
گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ ہٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے میں کٹ گئے

ہٹ کر جفا شعار نے جوڑا کماں میں تیر　　تیر افگنی میں شہرۂ آفاق تھا شریر
سرکش خدنگ مرگ سے کیونکر ہو گوشہ گیر　　چلّہ کٹا کمان کا زہے تیغ بے نظیر
قربان زور ضربتِ نصرت نشان کے
کھل کر قفا پہ بندھ گئے بازو کمان کے

خادم نے تیر جوڑ کے دی دُوسری کماں　　نیزہ اُٹھا کے شیر نے آواز دی کہاں
سپر اِدھر اُٹھی تھی کہ چمکی اُدھر سناں　　بھالے کی نوک جھونک تُلی تھی نئی تکاں
سہما یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر
ناوک زمیں پہ تھا تو کماں آسمان پر

سمٹا جما اُڑا، اِدھر آیا اُدھر گیا　　چمکا پھرا، جمال دکھایا ٹھہر گیا
تیروں سے اُڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا　　برہم کیا صفوں کو، پرے سے گذر گیا
گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اُس کے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

پھرتا تھا کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے　　سرعت بلائیں لیتی تھی مُنہ چوم چوم کے
پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے　　غل تھا یہ غول میں پسرِ سعد شوم کے
رخش ایسا روم و رے میں نہیں، شام میں نہیں
یہ شوخیاں تو ابلقِ ایام میں نہیں

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال　　کبکِ دری خجل، دلِ طاؤس پائمال
سبزہ شکن رہی ہیں قدم کے تلے نہال　　اِک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آگیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا　　آیا عرق تو ابر گہر بار بن گیا

گہ قطب، اگاہ گنبدِ دوّار بن گیا   نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا
حیران تھے اِسلئے گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

ہنگامۂ جنگ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک   اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک
شہ پور کی صدا سے ہراساں ہوئے ملک   قرنا پھنکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تلک
شورِ دُہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے
گھوڑوں سے گونجتا تھا وُہ سب وادی نبرد   گردوں ہیں مثل شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
تھا چرخ چار میں پہ رُخِ آفتاب زرد   ڈر تھا گرے زمیں پہ نہ میناے لاجورد
گرمی ہجوم فوج سے دہ چند ہو گئی
خاک اس قدر اُڑی کہ ہوا بند ہو گئی
کانپے طبق زمیں کے ہلا چرخ لاجورد   مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
اُٹھ کر زمیں سے بیٹھ گئی زلزلے میں گرد   تیغوں کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد
گرمی سے رن کے ہوش اُڑے وحش و طیر کے
شیر اس طرف اُتر گئے دریا کو پیر کے
اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در   جنگل میں چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
جنّات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر   دُنیا میں خاک اُڑتی ہے اب جائیں ہم کدھر
اندھیر ہے، اُٹھی برکت اب جہاں سے
لو ہل گیا زمیں کا طبق آسماں سے
تھرا رہا تھا خوف سے میناے لاجورد   ہلتے تھے کوہ، کانپتا تھا وادی نبرد
تھا دن بھی زرد دھوپ بھی زرد اور زمیں بھی زرد   خورشید چھپ گیا یہ اُٹھی کربلا میں گرد
اک تیرگی غبار سے تھی چشم مہر میں

ٹاپو پڑے ہُوئے تھے محیطِ سپہر میں

اُمڈی ہُوئی تھی فوج پہ فوج اور دَل پہ دَل — تھے برچھیوں کی صُورت مقراض پھل پہ پھل
خنجر وُہ جن کی آب میں تھی تلخیٔ اجل — وُہ گرز جن کے ڈر سے گرے دیو منہ کے بل
دو دو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقوں پہ تھے بچھے ہُوئے حلقے کمند کے

وُہ دھوم طبلِ جنگ کی، وُہ بوق کا خروش — کر ہو گئے تھے شور سے کرّوبیوں کے ہوش
تھرّائی یوں زمیں کہ اُڑے آسماں کے ہوش — نیزے ہلا کے نکلے سوارانِ درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سوارانِ شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

حد سے فزوں ہے کثرتِ افواجِ نابکار — نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ ہے تیغِ آبدار
ہر سمت ہے سناں پہ سناں مثلِ کارزار — ہر صف میں ہے سپر پہ سپر مثلِ لالہ زار
پیکاں بہم ہیں جیسے ہوں گل بے کھلے ہوئے
گوشوں سے ہیں کمانوں کے گوشے ملے ہوئے

گرتی تھی برقِ تیغ جو سر پر اِدھر اُدھر — سمٹے ہُوئے تھے ڈھالوں کے بادل اِدھر اُدھر
شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل اِدھر اُدھر — بھاگڑ تھی قلبِ فوج میں، ہلچل اِدھر اُدھر
ہر جا تنوں کے ڈھیر سروں سے بلند تھے
بھاگیں کہاں، گریز کے کُوچے تو بند تھے

تیغیں سپر کے ساتھ کٹیں، خود سر کے ساتھ — سینہ کمر کے ساتھ کٹا، دل جگر کے ساتھ
ہلچل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہرا پسر کے ساتھ — اس معرکہ میں چھُوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
جانیں روانہ ہو گئیں قالب کو چھوڑ کر

سرہنگِ شام ٹھوکریں کھا کھا کے مر گئے — جو بچ گئے اِدھر سے اُدھر جا کے مر گئے
کتنے جواں سموں کے تلے آ کے مر گئے — پس پس کے سُرمہ ہو گئے ٹکرا کے مر گئے

ہلچل نے اُستخواں بدن چور کر دیئے
بیٹوں نے پاؤں باپ کی چھاتی پہ دھر دیئے
تھا الاماں کا شور پریشاں تھے اہلِ شر تیغوں کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی ہر اک سپر
ماتمی علم رگڑتے تھے جھک جھک کے خاک پر پرچم نے بال کھولے تھے فریادیوں نے سر
دانتوں میں خس ہراس سے تھے ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے
بے رُخ کمانیں تیروں سے چلے کماں سے دُور مرغان تیر سہمے ہوئے آشیاں سے دُور
برچھے سے پھل گرے ہوئے، نیزے سناں سے دور پیروں سے عقل دور تہوّر جواں سے دُور
تیغوں کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالوں کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا۔
درپے تھی سرکشوں کی جو وہ تیغ جانستاں گوشوں سے تھی بلند صدائے اماں اماں
ترکش سے تیر بھاگتے تھے، تیر سے کماں گردن سے سر، رگوں سے لہو، اور تنوں سے جاں
یارا عقابِ تیر کو پرواز کا نہ تھا
رن میں کہیں نشان قدر انداز کا نہ تھا
ملتا نہ تھا صفوں میں علم کا نشاں کہیں چلّے کہیں تھے شست کہیں تھی، کماں کہیں
نیزے کہیں تھے، ڈانڈ کہیں تھی، سناں کہیں جمدھر کہیں، کمند کہیں، برچھیاں کہیں
اک اک سیاہ رُو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں سے باغ تھا
وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اُس کی چمک دمک کانپی کبھی زمیں، کبھی تھرا گئے فلک
شعلہ میں یہ چمک تھی نہ بجلی میں یہ لپک ہر ضرب میں سما سے تلاطم تھا تا سمک
کونین میں حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاؤِ زمیں سمٹتی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے
ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سیاہ لعیں ہٹی یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمیں ہٹی
سہمے جبال، نہر کہیں سے کہیں ہٹی دہشت سے آسماں ہوا اونچا زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے اک آگے بڑھ گیا

دریا لہو کا کشتی گردوں پہ چڑھ گیا

نعرہ جدا، صدائے تکبیر و بدہ جدا
گوشے کماں سے دور تھے، گوشوں زِہ جدا
بکتر جدا زمیں پہ ٹکڑے، زرہ جدا
نیزوں کو دیکھئے تو گرہ سے گرہ جدا
اللہ رے فرق، گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

مغفر نہ سر کے پاس، نہ خنجر کمر کے پاس
بیٹے کے پاس باپ، نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضہ کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس
کڑیاں زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس
نیزے نہ تھے سنان نہ پرچم نشان پر
پیکاں نہ تیر پر تھا، نہ چلّہ کمان پر

گرمی کی شدت

وہ لوں وہ آفتاب کی حدت وہ تاب تپ
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
سرخی اڑی تھی پھولوں سے، سبزی گیاہ سے
سایہ کنوئیں میں اترا تھا پانی کی چاہ سے

آب رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر ادھر
مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر
خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

آئینہ فلک کو نہ تھی تاب و تپ کی تاب
چھپنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب
کافورِ صبح ڈھونڈ تا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں

شیر اٹھتے تھے نہ خوف کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے

آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے　　گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر
گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گماں　　انگارے تھے حباب، تو پانی شرر فشاں
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں　　تہ میں تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمئ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

میرانیس

نمودِ سحر

طے کی غدیو ملک سحر نے جو راہِ شب　　سر کی رخِ فلک سے رِدائے سیاہِ شب
برہم ہوئی جماعت افواجِ شاہِ شب　　آیا غنیم لٹنے لگی بارگاہِ شب
صدمہ اِدھر قمر نے سہا انقلاب کا
بیٹھا اُدھر زمیں پہ عمل آفتاب کا
سلطان مشرقی نے جو کھولا حصارِ شب　　فوجِ نجوم لے کے چلا تاجدارِ شب
لوٹا گیا تمام سوادِ تتارِ شب　　گردوں نے بے چراغ دکھایا دیارِ شب
کلیاں کھلیں نسیم کا ہر جا گذر ہوا
زہرا کا آفتاب چراغِ سحر ہوا
پھیلا سفیدۂ سحری جبکہ یک بیک　　مانند قلبِ پاک مصفا ہوا فلک
پائی زمین نے مہر کے جلوے سے دو چمک　　ناظر کو جس پہ ہو جلبی آئینہ کا شک

ذرّے چمک کے نور کا گنجینہ بن گئے
کانٹے زمین پہ جوہر آئینہ بن گئے

سبزے کی وہ لہک تھی کہ تھی قدرتِ الٰہ   شبنم کی وہ چمک کہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ
کوسوں چمک دمک تھی ضیا تھی کہ واہ واہ   ہوتا تھا سبز خزف پہ نگینہ کا اشتباہ
کیا لطف آب و تاب تھا کیا رنگ ڈھنگ تھا
صحرا کے پتھروں پہ بھی ہیرے کا رنگ تھا

پُرنور آسمان تھا منور تھے دشت و در   مابین تحت و فوق ٹھہرتی نہ تھی نظر
ذرّے ہوا میں جاتے تھے سوئے فلک اُدھر   تارِ شعاعِ شمس تھی پستی میں جلوہ گر
طرفہ سماں تھا قدرتِ حق کے ظہور سے
ہوتا تھا بڑھ کے نور بغلگیر نور سے

وہ دشت وہ بہار وہ جھونکے نسیم کے   گویا تھے در کھلے ہوئے باغِ نعیم کے
جلوے عیاں تھے فیضِ عمیمِ کریم کے   ہر سو رواں تھے قافلے گُل کی شمیم کے
بدلی ہوئی تھی وجد میں حالت جمود کی
جنگل سے آرہی تھیں صدائیں درود کی

اطراف سبزہ زار پہاڑوں کا وہ سماں   پانی سوئے نشیب بلندی سے وہ رواں
سیلانِ آبِ صاف سے جادہ تھا وہ عیاں   جس کی جھلک پہ ہوتا تھا مقیش کا گماں
اُس دھوپ میں وہ حسن و صفا ایک حال پر
سہرے بندھے ہوئے تھے جبینِ جبال پر

اک سو رواں وہ دھوپ میں دریا بہ آب و تاب   جس کی تڑپ سے معدنِ سیماب کو حجاب
وہ زور شور اور وہ موجوں کا پیچ و تاب   رہ رہ کے مچھلیوں کا اُبھرنا بصد شتاب
جنبش سے عکسِ مہرِ درخشاں فرات میں
ہر بار مثلِ برق تھا جولاں فرات میں

آبِ لطیف میں بھی صفائی جو تھی کمال   بالا سے چشم کو نظر آتا تھا تہ کا حال
تھا آشکار قلبِ صدف میں جو تھا خیال   تارِ نظر نہنگ کے تھے آئینہ کے بال
چشمہ تھا دور بین کا اس آب و تاب میں

ظاہر تھا نور دیدۂ ماہی حباب میں

گرمی کی وہ سحر وہ ترائی وہ سبزہ زار — شبنم سے تر وہ خشک زمیں سرد وہ کچھار
وہ آہوؤں کا بھاگنا شیروں کی وہ ڈکار — آب رواں درندوں کا پینا وہ بار بار
افسوس دام و دد کو یہ سامان تھے چین کے
اور جاں بلب تھے پیاس سے بچے حسین کے

دشت و جبال بحر و بر و زمزم و حجر — مصروف حق کی یاد میں تھے صورت بشر
ہر اک چمن میں شاخ ریاحین و برگ تر — تھے محو اپنے حق کی پرستش میں یک دگر
باطن بھی پاک صاف تھے ظاہر تھے رخت بھی
سجدے زمیں پہ کرتے تھے جھک کر درخت بھی

ہر رنگ میں کریم کا جلوہ وہ چار سو — زیر فلک دعائیں وہ سنبل کشادہ مو
سبزہ بچھائے اپنا مصلّا تھا قبلہ رو — صف بستہ تھے نہال بھی شبنم سے باوضو
خالق سے بسکہ طالب حسن قبول تھے
ہر دم ریاضتوں میں عرق ریز پھول تھے

محو ثنائے خالق یکتا تھی ہر زباں — غنچے بھی کھولے تھے دہن گو نہ تھی زباں
ہر برگ گل تھا معرفت حق میں تر زباں — بلبل کو داستان تعشق تھی بر زباں
پیدا ہزار درد کا لہجوں میں ڈھنگ تھا
نغموں میں شور نالۂ زاہد کا رنگ تھا

رنگ جہاں پہ اشک تھے طاؤس کے رواں — قائم جو سرو تھے تو اقامت کا تھا گماں
لالے کے داغ سجدۂ خالق کے تھے نشاں — تھی خشک فرط حمد سے ہر خار کی زباں
کھلتے ہی ہر کلی کی چٹک آہ سرد تھی
خوف خدا میں نرگس بیمار زرد تھی

تسبیح خواں درختوں پہ طائر تھے بے شمار — اصوات مختلف وہ خوش آیند و خوشگوار
سبحان کوئی کہتا تھا خوش ہو کے بار بار — حق سرہٗ کی جوش میں ہر طرف وہ پکار
گل دم بخود سماعت آیات کے لئے
شاخوں کے ہاتھ اٹھے تھے مناجات کے لئے

نمودِ صبح

پھوٹا جب آسماں پہ گُلِ آفتابِ صبح — نکلا حجابِ شب سے رُخِ لاجوابِ صبح
دفتر کشائے صبح نے کھولی کتابِ صبح — ہونے لگا سپہر بریں پر حسابِ صبح
گردوں پہ حاملان سحر کا ظہور تھا
عالم تمام مطلعِ خورشیدِ نور تھا

غنچے کھلے نسیمِ ریاضِ جناں چلی — باغِ جہاں میں صرصرِ عنبر فشاں چلی
گلشن سے مارے شرم کے بادِ خزاں چلی — ہنسکر کہا بہار نے کیوں اب کہاں چلی
سیرِ چمن تو کر کہ مرا دَور دَور ہے
غنچے کھلے ہیں رنگِ گلستاں اب اور ہے

یہ تازگی یہ بو یہ لطافت یہ رنگ ڈھنگ — کیونکر نہ ان کو دیکھ کے غنچے ہوں دل میں تنگ
بدلے جو چرخِ شعبدہ پرواز لاکھ رنگ — پیدا نہ ہوں گے ایسے جوانانِ سبزہ رنگ
دُنیا میں ان گلوں سے یہ گلشن بھرا رہے
یا رب سدا ریاضِ پیمبر ہرا رہے

وُہ صبح اور وُہ نور کا تڑکا وُہ سبزہ زار — گلہائے بوستانِ پیمبر کی وُہ بہار
تھی شاخِ گل پہ بلبلِ سدرہ کی یہ پُکار — قربان باغِ مرتضوی پر ہزار بار
رونق انہیں کے دم سے ہے دنیائے زشت میں
ایسے تو گل کھلے بھی نہ ہونگے بہشت میں

شبنم تھی یوں گلوں پہ دُر افشاں دمِ سحر — جس طرح چاندنی میں لُٹائے کوئی گُہر
بادِ صبا کا ناز سے چلنا اِدھر اُدھر — نغمے وُہ بُلبلوں کے وُہ پھُولے پھلے شجر
بلبل کا اِس بہار سے دل باغ باغ تھا
ارضِ عُلا کا عرشِ بریں پر دماغ تھا

ٹھنڈی ہوا وُہ دشت کی وُہ صبح کا ظہور — تھے محوِ یادِ حق میں درختوں پہ سب طیور
پھیلا جو آفتابِ فلک کا جہاں میں نور — گل ہو گیا نسیمِ سحر سے چراغِ طور
ظلمت کا عکس پردۂ شب میں نہاں ہوا
مشرق سے چرخ پر خطِ ابیض عیاں ہوا

تلوار

کھینچی غضب میں آکے جو شمشیر حیدری — سب پہلوان بھول گئے اپنی صفدری
شبدیز کو اڑا کے دھنسا فوج میں جری — چمکی جو تیغ پڑ گئی لشکر میں ابتری
جبریل پر سمیٹ کے دہشت سے ہٹ گئے
سمٹی زمین ڈر کے رسالے الٹ گئے

کھنچ کر جو تیغ تیز چلی سر اڑا گئی — تیروں کے پر کمانوں کی سیسر اڑا گئی
ہر وار میں سواروں کے مغفر اڑا گئی — گر مرغ روح اڑ کے چلا پر اڑا گئی
دم تک نہ لینے دیتی تھی ظالم کو زین پر
چورنگ کاٹتی تھی گرا کر زمین پر

ہر سر میں مثل عقل سما کر نکل گئی — فانوس تن میں آگ لگا کر نکل گئی
شمع حیات عمر بجھا کر نکل گئی — ناری کو ہر طرح سے جلا کر نکل گئی
ہر نخل قد پہ مثل ثمر آشکار تھی
دل میں نہاں تھی گاہ کلیجے کے پار تھی

جم کر گری سروں کو اڑا کر نکل گئی — بیٹھی اٹھی جمال دکھا کر نکل گئی
بسمل کیا گلے سے لگا کر نکل گئی — ناری کو ہر طرح سے جلا کر نکل گئی
جس صف سے پل چلی وہ سقر کو روانہ تھی
معشوق کج ادا تھی بلائے زمانہ تھی

بچ کر جو اس بلا سے کوئی بد گہر چلا — تلوار نے یہ بڑھ کے صدا دی کدھر چلا
اک وار تن کے پھر جو کیا تن سے سر چلا — ہنس کر پکاری موت کہ سوئے سقر چلا
لینا نہ دم کہیں کہ خطر اس سفر میں ہے
جا جلد فوج شام کی بھرتی سقر میں ہے

جس صف پہ مثل برق چمکتی ہوئی چلی — اک آگ تھی کہ تن میں دہکتی ہوئی چلی
تن سے نکل کے روح پھڑکتی ہوئی چلی — موت اس کے ساتھ ساتھ لپکتی ہوئی چلی
ناری کو ساتھ لے گئی دوزخ میں ٹال کے

پھر آئی اُس کو قعرِ جہنم میں ڈال کے

تلوار کی تعریف

حملہ کیا صفدر نے چلے وار دو جانب　　آیا گیا پھرتا ہُوا رہوار دو جانب
سر تن سے اُڑانے لگی تلوار دو جانب　　ٹوٹے جو پرے ہو گئے اسوار دو جانب
جو بیچ میں زخمی تھا وُہ ناخن بجگر تھا
اک ہاتھ اجل کا اِدھر اور ایک اُدھر تھا

ہے صاف بدن غیرتِ مرآتِ سکندر　　منہ دیکھتی ہے فتح و ظفر جس میں برابر
شرمندہ چم و خم ہے خمِ ابروئے دلبر　　ہیرے کے یہ پر ہیں اگر چمکتے ہوئے جوہر
منظور ہے درد و الم و یاس کا بدلہ
لے گی یہ پری کشتۂ الماس کا بدلہ

ہر ہاتھ میں بالائے زمیں کٹ کے گرے سر　　رہتی پہ کہیں خود کہیں کٹ کے گرے سر
اک دم میں پیادوں اور میں کٹ کے گرے سر　　گاڑے تھے جہاں پاؤں وہیں کٹ کے گرے سر
پر بار گنہ رہ گیا دوں تھے تو دسوں پر
دُھڑے نظر آتے تن پر خون فرسوں پر

تھمتی ہی نہ تھی صورتِ سیماب وُہ تلوار　　عاشق کی طرح پھرتی تھی بیتاب وُہ تلوار
فوجوں کو بھگاتی تھی ظفر یاب وُہ تلوار　　رن میں کہیں آتش تھی کہیں آب وُہ تلوار
نامرد ہوا کھا کے جو ٹل جاتا تھا کوئی
ٹھنڈا کوئی ہوتا تھا تو جل جاتا تھا کوئی

وُہ منہ کی چمک اور وُہ سراپا کی صفائی　　اُس سے جو لگائی ہے تو اُس سے کج ادائی
گرمی وُہ قیامت کہ پری نے بھی نہ پائی　　صف اُلٹی جدھر آنکھ لڑائی میں لڑائی
کہتے تھے لعین شل بھی تھمنے نہیں دیتے
کیا آفتِ دوراں ہے کہ تھمنے نہیں دیتے

پھٹتا تھا اُدھر جنگلوں کا جو کوئی غٹ　　سیدھی وہ دم معرکہ ہو جاتی تھی غٹ پٹ

کہتی تھی یہ دکھلا کے ادا کر کے لگاوٹ
دیکھو مرا منہ اب کہ میں اٹھاتی ہوں گھونگھٹ
ہمدم ہے قاسمؑ کی دم صف شکنی ہوں
بہتوں کے بگاڑوں گی میں چہرے وہ بنی ہوں

چکر تو چمنستاں میں بہت کھاتے ہیں طاؤس
پر حسن خرام اس کا نہیں پاتے ہیں طاؤس
گردن میں وہ ہے لہر کہ شرماتے ہیں طاؤس
گھونگھٹ کو تو دیکھو کہ چھپے جاتے ہیں طاؤس
سبزہ ہے مگر رشک چمن آج بنا ہے
نوشاہ کا گلگوں بھی دلہن آج بنا ہے

یہ کہہ کے ہاتھ تیغ پہ ڈالا دلیر نے
شاہین کو آشیاں سے نکالا دلیر نے
پنجہ میں صاعقہ کو سنبھالا دلیر نے
ترچھا فرس پہ رکھ لیا بھالا دلیر نے
مہمیز کی جو گھوڑے کو رانوں میں داب کے
ثابت ہوا کہ کھل گئے شہ پر عقاب کے

اعدا ابھی مرکبوں پہ سنبھل بیٹھے اُس طرف
قرنا پھنکی بجے دہل و بوق و سنج و دف
تیغیں کھچیں مڑیں سپریں منہ پہ صف بصف
جھپٹا اُدھر سے ضیغم شہنشہ نجف
غازی کی ضرب ضرب جناب امیر تھی
پہلے ہی وار میں صف اول اخیر تھی

دریا لہو کا بہتا تھا کیا آب دار تھی
آتش برس رہی تھی غضب شعلہ بار تھی
گہہ زیر خاک تھی کبھی گردوں کے پار تھی
بھاگو بچو ہٹو یہی ہر سو پکار تھی
دیکھو بڑھے نہ جاؤ کہ منہ اس کا آگ ہے
کاٹے کی جس کے لہر نہیں یہ وہ ناگ ہے

خونخوار جاں بلب دم جنگ و جدال تھے
ڈھالیں لئے کھڑے تھے مگر جی نڈھال تھے
چہرے تو تھے سیاہ بدن خوں سے لال تھے
بسمل تھے اہل کفر حرامی حلال تھے
کہتی تھی تیغ شرع میں یہ خون معاف ہے
جو چاہے دیکھ لے مرا منہ پاک صاف ہے

نکلی غلاف نور سے تفسیر جوہری
یا آ کے دست بوس سلیماں ہوئی پری
یا حجلہ سے عروس نے کی جلوہ گستری
یا ہے یہ شاخ میوۂ طوبیٰ ہری بھری

اس ہاتھ سے مرادیں تھیں جو جو وہ مل گئیں
باچھیں خوشی سے تیغ کے قبضہ کی کھل گئیں

شاخ نیام سے ہوا اس طرح پھل جدا | پیروں کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا
ہستی زمیں پہ تڑپی جدا اور اجل جدا | خنجر جدا فلک پہ گرا اور زحل جدا
غل تھا کہ اب مصالحۂ جسم و جاں نہیں
لو تیغ برق دم کا قدم درمیاں نہیں

سایہ بھی صاف تیغ سے فوراً جدا ہوا | مطلب ملا کہ پانی سے روغن جدا ہوا
تنہا نہ رنگ چہرہ دشمن جدا ہوا | گردن سے سر تو روح سے ہر تن جدا ہوا
باہم صدا دلوں کے دھڑکنے کی آتی تھی
آواز بوق اٹھتی تھی اور بیٹھ جاتی تھی

سیدھی ہوئی جو تیغ تو لشکر الٹ گیا | میدان کے ہاتھوں جینے سے دل سب کا پھٹ گیا
سب رو رہے تھے روز کو واں سے جو گھٹ گیا | مانند ناف خوف سے سینہ سمٹ گیا
بولی یہ تیغ دم سر اعدا پہ لوں گی میں
برش پکاری تو یہ ٹھہرنے نہ دوں گی میں

بڑھتی ہوئی زبان سے یہ لافتا چلی | روشن نگاہ کہنے کو آگے قضا چلی
بائیں کو تھہر داہنی جانب بلا چلی | بالکل چراغ عمر ہوئے گل ہوا چلی
کہئے نہ تیغ دو دھا کو برچھی لگائی تھی
ان پر حسن کی آہ نے بجلی گرائی تھی

پھل وزن میں تھا پھول تجلی میں نخل طور | گرمی میں محض نار تو نرمی میں صاف نور
آسیب سایہ چال پری قبضہ چشم حور | خود نہر آب زہر تڑپ قہر شور صور
یوں دفعتہً زمیں سے گئی آسمان پر
جس طرح غصہ آئے کسی ناتوان پر

تیغیں بڑھیں تو اور گھٹی شان اشقیا | دست سوال جیسے سب اعضا میں بدنما
الزام اُن کی تیغ نے سب تیغوں کو دیا | گرمی سے اس کی سرد تھے اعدا کے دست و پا
جوہر کے خرمنوں پہ جو مثل شرر گری

ہر تیغ پھلجھڑی کی طرح چھوٹ کر گری

پھر تو پکار تھی یہ ادھر وہ اُدھر گرا
وہ نیمچہ وہ ہاتھ وہ خود اور وہ سر گرا
بن بن کے برق سایۂ تیغ ظفر گرا
واں مورچہ سے باپ اُٹھایاں پسر گرا

گر گر کے سر پر رن میں برابر طپاں ہوئے
جو رن میں سند میں کے معنی عیاں ہوئے

اس تیغ سے تھا سارے زمانے میں ماہ عید
روشن تھا پنجتن کے گھرانے میں ماہ عید
آنے میں روز عید تو جانے میں ماہ عید
صائم کو تھا غذا کے کھلانے میں ماہ عید

دل کے شکست ہونے سے روزی کا در کھلا
برسوں کے بعد روزہ فتح و ظفر کھلا

دینار تیغ رونق بازار ہو گیا
نادار اُس کے چلنے سے زردار ہو گیا
اور دُور مفلسی کا سب آزار ہو گیا
یہ آب تیغ شربت دینار ہو گیا

صد پارہ رن میں قالب ہر بے دریغ تھا
اس عہد میں یہ خوردہ و فیار تیغ تھا

آندھی تھی گرد گھوڑے نے وہ خاک اُڑائی تھی
دریائے تیغ نے نئی گرمی دکھائی تھی
آندھی نے آگ پانی کے اندر لگائی تھی
شعلوں کی بجلیوں نے ہر اک سے جلائی تھی

چل پھر سے اُس کی تیغ کی جنبش زیاد تھی
کشتی تیغ کے لئے باد مراد تھی

چہروں پہ مردنی کی طرح تیغ چھا گئی
ہر استخواں میں مثل تپ دق سما گئی
اعجاز خاک سائی حیدر دکھا گئی
مانند خاک ناریوں کے تن جلا گئی

سب کے گلوں سے ملتی تھی لیکن رُکی ہوئی
جوہر یہ تھے کہ بوجھ سے خود تھی جھکی ہوئی

باطل کو حق سے تیغ نے خود کر دیا پرے
خورشید جیسے رات کو دن سے جدا کرے
خالی طرارے رخش جہندہ نے جو بھرے
میدان سے ہرن ہوئے روباہوں کے پرے

شعلہ جو اُس کے مشعل سم سے عیاں ہوا
کیا کیا چراغ پا فرس آسماں ہوا

اُٹتے تھے جوڑ توڑ عجب تیغ تیز کو سر سے گری جُدا کیا پائے گریز کو
اپنے سے گرم دیکھ کے اس شعلہ ریز کو برقِ شرر نے نذر کیا جست و خیز کو
بو گُل نے رنگ لالہ نے سرعت ہوا نے دی
یہ ہدیہ کیا ہے اپنی نیابت قضا نے دی

ڈوبی سپر میں گر کے نئی چال ڈھال سے پا کھر کے بیچ میں یہ بڑی سیدھی چال سے
اُٹھ کر زرہ میں آئی شکوہ جلال سے اک جال میں تڑپ کے گئی ایک جال سے
گذری جو چار آئینہ سے مُنہ کو موڑ کے
غل تھا پری نکل گئی شیشہ کو توڑ کے

لو چلنے لگی تیغ قیامت نظر آئی لو مرگِ مفاجات کی صُورت نظر آئی
لو قہرِ الٰہی کی علامت نظر آئی لو اُڑ گئے سر فوج پہ آفت نظر آئی
خالی ہوا دم بھر میں وُہ لشکر جو بھرا تھا
تھی ضربتِ اوّل کہ نہ صف تھی نہ پرا تھا

قدموں پہ گرے سر علی اکبر جدھر آئے ہر ضرب میں آثارِ قیامت نظر آئے
اس دبدبہ و شان سے ہر صف میں در آئے جس طرح غزالوں پہ کبھی شیرِ نر آئے
حلقے سے کوئی بھاگ نہ سکتا تھا نکل کے
سب صف کی صف آجاتی تھی پنجہ میں اچھل کے

غل تھا کہ یہ تلوار نہیں قہرِ صمد ہے یہ معرکہ صفین کا ہے جنگ احد ہے
خیبر میں لڑا جو وُہ اسی شیر کا جد ہے یہ بیشۂ ضرغامِ الٰہی کا اسد ہے
دبتے ہیں نہ ہٹتے ہیں نہ جُھکتے ہیں کسی سے
جب رن پہ چڑھے پھر نہیں رُکتے ہیں کسی سے

جو زخم کا کوچہ ہے وُہ رستہ ہے اسی کا جو رُوح پہ قابض ہے وُہ قبضہ ہے اسی کا
نظارۂ مقتول تماشہ ہے اسی کا کہتے ہیں جسے برق وُہ جلوہ ہے اسی کا
عالم میں تہ چرخِ بریں دھاک ہے اس کی
مقتل جسے کہتے ہیں وُہ املاک ہے اس کی

اُس تیغ نے چلنے میں عجب ناز دکھائے کٹ کٹ گئی بجلی بھی وُہ انداز دکھائے

کیا منہ تھا کہ جرأت کوئی جانباز دکھائے　　شمشیرِ یداللہ کے اعجاز دکھائے
مارا جسے دو ٹکڑے وہ مردودِ خدا تھا
حصّہ تھا برابر کوئی کم تھا نہ سوا تھا

بجلی وہیں گرتی ہے نکلتی ہے یہ جس جا　　اِک حشر بپا ہوتا ہے چلتی ہے یہ جس جا
بہتا ہے لہو رنگ بدلتی ہے یہ جس جا　　مرجاتے ہیں سب زہر اگلتی ہے یہ جس جا
زخم اس کا نہ ٹانکے سے بھرا ہے نہ دوا سے
اژدر بھی چرا لیتے ہیں دم اس کی ہوا سے

اِک ضرب نہ اُس فوجِ گرانبار سے اُٹھی　　بے دو کئے نہ ڈھال نہ تلوار سے اُٹھی
دکھلا کے چمک لشکرِ غدار سے اُٹھی　　دھاک اپنی بٹھا کر کفِ کفار سے اُٹھی
جل جل کے صفیں خاک ہوئیں اہلِ ستم کی
جنگل میں ہوا بندھ گئی اُس برقِ شیم کی

اُس تیغ سے اعدا کو نہ جانوں کی خبر تھی　　علموں کی نہ لشکر کے نشانوں کی خبر تھی
نہ فکر سپر کی نہ سنانوں کی خبر تھی　　تیروں کی خبر تھی نہ کمانوں کی خبر تھی
بھائی کہیں فرزند کہیں باپ کہیں تھے
ہتھیار کہیں ہاتھ کہیں آپ کہیں تھے

صُبح کا سماں

وُہ سماں دشت کا وُہ نور کا تڑکا وُہ بہار　　صنعت صانع قدرت کا وُہ تھا نقش و نگار
وجد میں لاتی تھی خوشبوئے گل و صوتِ ہزار　　کبھی شاخوں کا وُہ جھکنا کبھی اُٹھنا ہر بار
شان دکھلانے کو جو نخل تھا آمادہ تھا
زلفِ سنبل بھی سنوارے ہوئے استادہ تھا

سبزہ وُہ جس سے خجل رنگِ سپہرِ اخضر　　موتی بکھیرے ہوئے شبنم کے اِدھر اور اُدھر
سرد نہریں کہ جنہیں دیکھ کے ٹھنڈا ہو جگر　　وُہ حبابوں کی چمک جیسے فلک پر اختر
بڑھ کے غنچوں کے دہن مُرغِ چمن چومتے تھے

قمریاں بولتی تھیں سروِ سہی جھومتے تھے

گلِ شبّو کی سحر کو وُہ بہار ایک طرف　　جلوہ گر ایک طرف برگ تو بار ایک طرف
روشوں پر وُہ صنوبر کی قطار ایک طرف　　ڈالیاں پہنے ہُوئے پھولوں کے ہار ایک طرف

خرم و تازہ و تر دشت بھی گلزار بھی تھا
تر زباں ذکرِ الٰہی میں ہر اک خار بھی تھا

شمع و پروانہ کا وُہ سوز و گداز ایک طرف　　بلبل و گل میں نئے راز و نیاز ایک طرف
طوطیِ تیز زباں نغمہ طراز ایک طرف　　چمنستان کے حسینوں کا وُہ ناز ایک طرف

نورِ ہنگامِ سحر دیکھ کے خورسند کوئی
کوئی خنداں تھا چمن میں تو شکر خند کوئی

تھا نیا حُسن جو باغوں کا نہ چرخِ کہن　　ہر طرف رقص کناں پھرتے تھے طاؤسِ چمن

پھول کو سمجھی تھی آنکھوں کا جو تارا نرگس
کر رہی تھی چمنستان کا نظارا نرگس

تھا ہر ایک صحنِ چمن طعنہ زنِ چرخِ بریں　　جا بجا تازہ وُہ خوشے کہ خجل ہو پرویں
خاک پر فرش گلوں کا وُہ نہالوں کے قریں　　تھی یہ بالیدہ کہ پھُولوں نہ سماتی تھی زمیں

رنگِ نازک جو ہر اک گُل کی کلی رکھتی تھی
پھونک کر پاؤں نسیمِ سحری رکھتی تھی

ساقی نامہ

ہے احتساب سخن ساقی کلام سے اب　　یہی ہے محتسبِ نسر کا دلی مطلب
کہ دُور کفر و ضلالت کے دور کا ہو تعب　　شکوہ دینِ مبین ہو بعون و قوت رب

نہ مغبچوں میں ہو بھولے سے ہمکلام کوئی
زباں قلم ہو جو لے مے کشی کا نام کوئی

گرے زمیں پہ پیر مغاں کا تاجِ غرور　　جلے شرر کی گردن پہ تیغِ موجِ سرور
ہوں شل عہدِ ضلالت شکستہ جامِ بلور　　حلال سب پہ ہے خونریزیِ مئے انگور

وُہ سکر ہے نہ وُہ نشہ کا طور ہے ساقی
مے طہور کا اب اور دور ہے ساقی

کہاں کھڑا ہے بس خمِ چھپا ہوا ساقی | ہمارے ساقی ہوش کے آگے آ ساقی
سبو کی خیر دیں اک جام تجکو کیا ساقی | یہاں تو لٹتے ہیں خم تو بھی لے مزا ساقی

حدیث شوق چھڑے۔ ذکر وصل حور چلے
بیاد ساقی کوثر مے طہور چلے

کہے یہ حوروں کی زلفوں سے اڑکے موج سمو | بہشت میں ہے جو سرچشمۂ شراب، طہور
لبالب اُس میں سے لاکر پلادے ساغر نور | کہ ہو مذاق طبیعت سے غم کی گنجلک دُور

بھکنے میں بھی جو کچھ دل میں ہو وہی نکلے
جو لڑکھڑا کے گروں منہ سے یا علیؑ نکلے

نزدگاہ سے کترا کے تو چلا ہے کدھر | تری ادا پہ لگاتے ہیں قہقہے ساغر
لب سبو سے تبسم عیاں ہے سرتاسر | وغا کی قلقل مینا سُنا رہی ہے خبر

بڑھا ہے تیغ بکف قلعہ گیر کا پوتا
چڑھا ہے رن پہ جناب امیر کا پوتا

تلوار کی تعریف

راہ خدا میں تیغ جری سر کے بھل چلی | بھگدڑ تھی پیدلوں میں سواروں میں ہلچلی
باہر جو دشت کیں سے وُہ برق اجل چلی | غل تھا کہ حسرت دل بسمل نکل چلی

مغرب میں آفتاب تو پہنچے گا شام تک
کچھ دن رہے سے سکا عمل ہوگا شام تک

جس کے گلے پڑی یہ حمائل بشد ومد | کٹ کر گرا زمین پہ دھڑ سے سر جسد
برش نے شامیوں کو دکھایا یہ روز بد | سینے سے گھٹ کے رُوح جو نکلی بجد وکد

پہنچی عجب کشاکش و رنج و ملال میں
دام زرہ سے چھوٹ کے جوہر کے جال میں

ہنگامہ کشت و خون کا نہ ہوتا تھا ملتوی — رُوحوں کی تھی سقر کو بپا پے روا روی
تھا روبرو ایک دوسرے کا صورت روی — جانوں کے جانبین میں تھا عکس مستوی
گردن دو نیم پیکر مقتول بھی دو نیم
موصول بھی دو نیم تھا محمول بھی دو نیم

جوہر کی انکڑیوں سے جو مردم کو تھا ضرر — پنہاں تھے ساتھ پردوں میں آنکھوں کے سر بسر
اور پتلیوں سے جو تھا اگک رشتۂ نظر — اک دھوم تھی کہ ناخنوں کے پرتو کا ہے پیوند
پوشیدہ ہے یہ ہم نفس مد آہ ہے
در پردہ فرط خوف سے ہر سو تباہ ہے

سب سے خراج لیتی تھی وہ ہمسر شہاب — ڈھالوں سے پھول تیغوں سے چھم چھم شباب
شہ رگ سے خون خون کی موجوں سے پیچ و تاب — جوہر زرہ کے حلقوں سے چار آئینوں سے آب
گردن سے فرق فرق سے سودا عناد کا
سینوں سے دل دلوں سے ارادہ فساد کا

کتنی ہی بار تیغ دو پیکر اٹھی گری — بجلی کی طرح باندھ کے جب کر اٹھی گری
قلب و جناح میں سر لشکر اٹھی گری — گھن کی طرح وہ صاحب جوہر اٹھی گری
سن سن چلی رگوں کا لہو چاٹتی ہوئی
تن سے پھری تو لاشوں سے رن پاٹتی ہوئی

پیرایہ حسام دو پیکر میں برملا — قینچی قضا کی لے کے چلا درزئ قضا
اعدا کے تن پہ ٹھیک ہوئی عمر کی قبا — قطع و برید تیغ دو پیکر کی تھی جدا
صد پارہ چار بند کا ہر بند کر دیا
پھر بند بند خاک کا پیوند کر دیا

چڑھتا تھا کون منہ پہ کسے تھی مجال جنگ — لرزاں تھے شیر کانپتے تھے خوف سے نہنگ
دونوں جہاں تھے تیغ دو پیکر کو اک شلنگ — تھے اہل عرش و فرش سب اس جستجو سے دنگ
چمکی جو صاف ہو کے تو مہتاب گرد تھا
آتش فشاں ہوئی تو جہنم بھی سرد تھا

لیلیٔ تیغ حسن دکھاتی تھی ہر طرف — کب ماہ نو نے خواب میں دیکھے تھے یہ شرف

شامی پرے جمائے تھے کھڑے صف بصف
جوہر نہ کہئے غصّہ سے مُنہ میں بھر آتا کف
دشمن کی ڈھال کہتی تھی مَیں کوہ قاف ہوں
چلاتی تھی یہ تیغ میں خارا شگاف ہوں

بند سپر سے خود پہ آئی چلی پھری
چار آئینے میں صاف در آئی چلی پھری
اونچوں کے سر چڑھی اُتر آئی چلی پھری
بیٹھی کہاں اِدھر اُدھر آئی چلی پھری
تلوار پر عدو کی جو دار اس کا چل گیا
موئے میاں تیغ کا کس بل نکل گیا

پھر تو برنگ برق عیاں بھی نہاں بھی تھا
ضربت کا بندوبست نہاں تھا عیاں بھی تھا
یہ خم کا جو کمال یہاں تھا وہاں بھی تھا
برش کا ذکر وردِ زباں تھا بیاں بھی تھا
زیر زمیں نہ تھی کہ سر آسماں نہ تھی
جلوہ تھا تحت و فوق میں اس کا کہاں نہ تھی

ہلچل پڑی بیانِ فصاحت مآب سے
ہلنے لگا عمر کا جگر اضطراب سے
بولا یہ بڑھ کے لشکر خانہ خراب سے
کم سمجھو ابروؤں کو نہ موتی کی آب سے
سنبھلو بڑھو یہ وقت گیا پھر نہ پاؤ گے
کیا منہ سقر میں زال دیشن کو دکھاؤ گے

ہیجان ہو گیا رگِ غیرت کو ناگہاں
ہر مردہ دل کے قالب ہیجان میں آئی جاں
سیدھی چمک چمک کے ہوئی برق و سناں
فوراً کڑک کڑک کے ہوئی لیس ہر کماں
نکلی حضور کی بھی سروہی میاں سے
چھٹتا ہے جیسے تیر شہاب آسمان سے

طلوعِ سحر

(۱)

جب مئے نور سے لبریز ہوا جامِ سحر
شانِ معبود نمایاں ہوئی ہنگامِ سحر
محوِ طاعت ہوئے شاخوں پہ گل اندامِ سحر
خطِ ابیض کا نشاں تھا کہ وہ صمصامِ سحر

تر و تازہ ہوئے بے جانوں نے جانیں پائیں
حال دل کہنے کو غنچوں نے زبانیں پائیں

باغ جنت تھا دم صبح وہ پھولا گلزار   جس طرف دیکھئے پھولوں کے لگے ہیں انبار
دھو دیا شبنم تازہ نے رخ گل کا غبار   بڑھ گئی اور غدار گل شبو کی بہار

دیکھیں مٹی میں زہے قدرت باری لہریں
آب گوہر کی رگ گل پہ تھیں جاری لہریں

ہے نئے رنگ کی گلشن میں شگوفہ کاری   جامۂ زیبا چمن پہنے ہیں خلعت بہاری
ہے نیا باغ نئے رنگ کی ہے تیاری   تازہ پھولوں کی وہ بو باس وہ رنگت پیاری

ڈالیاں جھکتی ہیں ایک ایک سے ملنے کیلئے
پھول جامے میں سماتے نہیں کھلنے کے لئے

وہ سماں صبح کا وہ سرد بیاباں کی ہوا   طائروں کی وہ سر شاخ خوش آیند صدا
وہ لب غنچۂ سوسن پہ تبسم کی ادا   خود بخود دل میں کبھی خندۂ بیجا پہ حیا

قہقہہ گل کا نہ آہنگ فغاں بن جائے
لب سوسن کی ادواہٹ نہ دھواں بن جائے

وجد میں ڈالیوں پر بلبل شیدا کی چہک   سرد شبنم سے ہوئی آتش لالہ کی بھڑک
بڑھ گیا حسن ملیح گل سوسن کا نمک   آنکھیں ہوتی ہیں خنک دیکھ کے سبزے کی لہک

دل یہ کہتا ہے عجب منظر لاثانی ہے
صحن گلشن میں بچھا مخمل کاشانی ہے

زلف سنبل کی ہوئی دور پریشاں حالی   جھک کے اک اک سے گلے ملنے لگی ہر ڈالی
بڑھ گئی مثل شفق عارض گل کی لالی   جس طرف جھوم کے جا پہنچی صبا متوالی

لب شکر ریز ہوئے خندہ نما پھولوں کے
پھول کر ٹوٹ گئے بند قبا پھولوں کے

آئی گلشن میں خزاں باد سحر کے ہمراہ   پھول کر پھول گرے برگ و ثمر کے ہمراہ
سیل شبنم ہے رواں نرگس تر کے ہمراہ   جس طرح آب ہے موتی کی گہر کے ہمراہ

باغ ویراں ہوا گلشن سے خزاں جاتی ہے

خالی دامن کو لئے باد صبا جاتی ہے

رفتہ رفتہ شہ خاور جو سرِ بام آیا ۔۔۔ سبزہ مرجھا کے یہ پامال ہُوا کام آیا
لب غنچہ پہ جو شبنم کا کہیں نام آیا ۔۔۔ لیکے گل چیں چمن قتل کا پیغام آیا
خشک نوارے ہیں نہریں ہیں برابر خالی
دست سائل ہوں جیسے کف ساغر خالی

عارض گل پہ پڑا ہے جو بیاباں کا غبار ۔۔۔ جھونکے دیدیکے اُڑاتی ہے اُسے باد بہار
گرد پھرتی ہے تصدق کے لئے سو سو بار ۔۔۔ زلف سنبل پہ نظر آئے جو قطرے دو چار
دامن دشت سے سنبل کے جو گیسو پہنچے
دیدۂ نرگس خونبار کے آنسو پہنچے ؏

دبیر

قصیدہ

یہ مسلم ہے کہ بہادری اور جنگجوئی عرب کی فطرت ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ان کے چہرے سے بہادری ٹپکتی تھی۔ اور اُن کے حرکات و سکنات اُن کی شجاعت کا پتہ دیتے تھے۔ جب ان میں شاعری پیدا ہوئی تو اکثر شاعر بھی وہی لوگ بنتے جو تلوار کے دھنی اور نیزہ بازی کے مرد میدان تھے۔ اس لئے جب جوش میں آتے تھے تو قصاید میں اپنے ہی معرکے لکھتے تھے یا جب کوئی شخص معرکہ سر کرکے آتا تھا تو اُس کی تعریف میں قصیدے نظم کرتے تھے۔ لیکن لالچ سے نہیں۔ کیونکہ کسی دوسرے شخص کی تعریف کرنا وہ اپنے لئے عار سمجھتے تھے۔ ابتدائے شاعری سے ایک مدت تک مدحیہ قصائد ناپید تھے۔ شاعر کے ساتھ اگر کوئی احسان کرتا تو وہ شکریہ کے طور پر اس کا ذکر کر دیتا تھا۔ لیکن کبھی اُس کی زبان کسی کی مدح سے آلودہ نہ ہوتی تھی۔ سب سے پہلا شخص جس نے مدح لکھی نابغہ ذبیانی ہے۔ اِس سے وہ مالدار تو ہو گیا لیکن قوم میں اُس کی عزت گھٹ گئی۔ اس کے بعد اعشیٰ نے مدح سرائی کو کاسۂ گدائی بنا لیا۔ اور ہر کس و ناکس کی مدح کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ وبا عام ہو گئی۔

شعرائے عرب اکثر قصیدوں میں ممدوح کے فتوحات اور اُن کے معرکے نظم کرتے تھے۔ تمہید میں اکثر ممدوح یا محبوب کے ملنے کے لئے سفر کرنے کا حال بیان کرتے ہوئے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے تھے۔

فارسی شعرا نے جب آنکھ کھولی تو عرب کی شاعری مدحیہ قصائد میں محصور تھی۔ اس لئے وہ بھی اُس کی طرف ڈھل پڑے۔ اور اندھا دھند تقلید کرنے لگے۔ اسی کے ساتھ انعام کی امید بھی اسی سے ہو سکتی تھی۔ اس لئے ایرانی شعرا

نے شاعری قصیدہ گوئی سے شروع کی

عربی میں تین چیزیں قصیدہ میں معیار کمال مانی گئی تھیں۔ مطلع۔ گریز۔ مقطع یہی باتیں فارسی والوں کے یہاں معیار کمال قرار پائیں۔ شروع شروع میں تو فارسی شعرا بھی تہذیب میں عربی شعرا کے قدم بقدم چلتے رہے لیکن ابتدائی ہی دور میں رہا اور بہت جلد یہ رنگ متروک ہو گیا۔

دور اوّل میں انوری و خاقانی۔ متوسطین میں عرفی و فیضی۔ اور متاخرین میں قاآنی و غالب فارسی کے بہترین قصیدہ گویوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ گو وہ فائدے جو عربی کی قصیدہ نگاری سے لوگوں کو حاصل ہوئے۔ اس سے فارسی شاعری محروم رہی۔ لیکن اسی کے ساتھ اس فن کو اس سے بہت ترقی ہوئی۔ اوّل تو قصیدہ کی ایک مستقل زبان بن گئی۔ یعنی بندش میں چستی اور زور۔ الفاظ میں شان و شکوہ۔ خیالات میں بلندی و رفعت کے اعلیٰ نمونے زبان میں آ گئے۔ یہاں تک کہ قصیدہ کے شروع میں جو غزلیہ اشعار ہوتے ہیں وہ بھی عام غزل کی زبان سے مختلف ہونے لگے۔ اسکے علاوہ لوگ تمہید میں طرح طرح کے مضامین داخل کرنے لگے۔ مناظر قدرت بہاریہ مناظرہ پند و موعظت کے مضامین اس میں کثرت سے آ گئے۔ جس سے شاعری کو بہت بڑا فائدہ ہوا۔

اردو غزل گوئی مرثیے کے بعد شروع ہوئی۔ ابتدا میں لوگ زیادہ تر غزلیں ہی کہا کرتے تھے۔ دوسرے طبقہ تک شعرائے اردو نے اگر مدح میں کچھ کہا ہے تو وہ ایسا نہیں کہ اس کو قصیدہ کہا جا سکے

قصائد کا کہنا اور پھر اس دھوم دھام سے اعلیٰ فصاحت و بلاغت کے ساتھ کہنا سودا کا پہلا فخر ہے۔ درحقیقت قصیدہ گوئی کی بنیاد اردو میں انہیں نے ڈالی۔ وہ اس دشوار گذار میدان میں فارسی کے نامور شعرا کے پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ بلکہ بعض باتوں میں اُن کا پایہ اُن سے بلند ہو جاتا ہے۔ ان کا کلام انوری و خاقانی اور عرفی کے ہم پلہ ہے۔ تشبیہ و استعارہ کی ندرت۔ محاورہ کی بندش۔ الفاظ کی شان و شوکت اور متانت۔ ان کی زور طبع کا بین ثبوت ہے۔ ان کے قصیدے پڑھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ شعروں میں جوش اُمنڈا چلا آتا ہے۔ بڑے بڑے معرکۃ الآرا قصیدے

فارسی شعرا کے قصائد کے جواب میں لکھے ہیں اور وہ زورِ قلم دکھایا ہے۔ کہ باید و شاید۔

ان کے بعد ہی انشا نے بڑے دھوم دھام کے قصائد لکھے۔ الفاظ کی شکوہ اور طبیعت کی بلند پروازی زوروں پر ہے۔ اپنی زباندانی کے جوش اور قوت بیان کے مزہ میں آکر کوئی شوخ مضمون اور نئی تراش ایسی سوجھ جاتی ہے کہ جسکے نظم کر دینے سے قصیدہ کی متانت و وقار میں فرق آجاتا ہے۔ اس سے کبھی تو کلام میں شوخی اور بانکپن پیدا ہو جاتا ہے اور کبھی ابتذال۔ لیکن زبان کی قدرتی لذت کلام کو بدمزہ نہیں ہونے دیتی۔ اسکا سبب یہ تھا کہ طبیعت میں جولانی تو زیادہ تھی لیکن اس پر قابو نہ تھا۔ انہوں نے اپنے قصیدوں میں موقع بموقع عربی۔ فارسی اور ہندی کے اشعار ایسے چسپاں کئے ہیں کہ قوت سامعہ نہایت لطف اندوز ہوتی ہے۔

اس کے بعد اُردو میں قصیدہ گوئی کی طرف کسی نے خاص توجہ نہیں کی۔ ذوق کی طبیعت کا زور قابو میں نہ تھا اور اسی کے ساتھ میلان طبع سودا کے انداز کی طرف زیادہ تھا۔ سودا نے قصیدہ گوئی کی بنیاد ڈالی اور ذوق نے اس کی عمارت کو اُٹھا کر اتنا بلند کر دیا کہ وہاں تک کسی کو پہنچنا دشوار ہو گیا۔ ان کا قاعدہ تھا کہ ہر جشن میں ایک قصیدہ لکھا کرتے۔ اور اکثر ایسے موقعے بھی پیش آتے جس میں اُن کو دھواں دھار قصیدے لکھنا پڑتے تھے۔ یہ سارے قصیدے اگر جمع رہتے تو خاقانی سے دوچند ہوتے۔ لیکن افسوس ہے کہ جوانی کی طبع آزمائی کا سرمایہ برباد ہو گیا جو کچھ ہے وہ بڑھاپے کا کارنامہ ہے۔

مرزا غالب ذوق کے ہمعصر تھے۔ ان کی مضمون آفرینی اور بلند پروازی کو دیکھتے ہوئے ان کو قصیدہ گوئی میں ایک بلند پایہ شاعر ہونا چاہئے تھا۔ جیسا کہ فارسی قصیدہ گوئی میں ہے۔ لیکن نہ معلوم کیوں ان کے قصیدے غزلیات سے کم رتبہ ہیں۔ اس لئے ہم ان کو سودا و ذوق کے سے بلند پایہ قصیدہ گویوں کی صف میں جگہ نہیں دے سکتے۔

اس کے بعد قصیدہ گوئی کا زور کم ہو گیا کیونکہ ممدوح نہ رہے تو مداح کہاں سے

گئے۔ جب نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام دکن اور نواب کلب علی خاں والی رام پور نے اپنے دربار سجائے تو اس قالب مردہ میں پھر جان آگئی۔ قدر بلگرامی منیر شکوہ آبادی۔ اسیر لکھنوی۔ داغ دہلوی۔ اور امیر مینائی اسی دور کی پیداوار ہیں۔ جنہوں نے اس میدان میں قدم رکھا اور فارسی شعرا کے مشہور قصیدوں پر بڑے پُر زور قصائد لکھے۔ داغ و امیر نے اگرچہ قصائد لکھے لیکن قدرت نے اُن کو غزل گوئی کے لئے پیدا کیا تھا۔ اِس لئے وہ قصیدوں میں کوئی بات نہ پیدا کر سکے۔

حضرت محسن کاکوروی کے نعتیہ قصیدے اُردو ادب کی جان ہیں۔ یہ بھی اِسی زمانہ میں پیدا ہوئے۔

گو اس دور کے قصیدہ گویوں نے اس صنف میں کوئی خاص جدّت و ندرت نہیں پیدا کی۔ لیکن پھر بھی جو باتیں قصیدوں میں ہونا چاہییں وہ اُن کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

بعد ازاں اب تک ایسا کوئی شخص اُردو دنیا نہ پیدا کر سکی جس کو صحیح معنی میں قصیدہ گو کہا جا سکے[1]۔ فقط

---

[1] اس مضمون میں شعر العجم اور آب حیات سے زیادہ مدد لی گئی ہے۔

قصائد

(۱)

اُٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل   تیغ اُردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

سجدۂ شکر میں ہے شاخ ثمردار ہر ایک   دیکھ کر باغ جہاں میں کرم عزّ و جل

قوت نامیہ لیتی ہے نباتات کا عرض   ڈال سے پات تلک پھول سے لیکر تا پھل

واسطے خلعت نوروز کے ہر باغ کے بیچ   آب جو قطع لگی کرنے روش پر مخمل

بخشتی ہے گلِ نورستہ کی رنگ آمیزی   پوشش چھینٹ قلمکار بہر دشت و جبل

عکس گلبن یہ زمیں پر ہے کہ جس کے آگے   کار نقاشی مانی ہے دوم وہ اوّل

تار بارش میں پروتے ہیں گہرہائے تگرگ   ہار پہنانے کو اشجار کے ہر سو بادل

بار سے آب رواں عکس ہجوم گل کے   لوٹے ہے سبزہ پہ ازبسکہ ہوا ہے بیکل

شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہونچی ہے   شمع ساں گرمیٔ نظارہ سے جاتی ہے پگل

جوش روئیدگی خاک سے کچھ دور نہیں   شاخ میں گاوِ زمیں کے بھی جو پھوٹے کونپل

دم عیسیٰ سے فزوں فیض ہوا ہے یاں تک   دین میں قسم جمادات سے شاید ہو خلل

فکر رہتی ہے مجھے یہ کہ زباں سے اپنے   کہیں دعوائے خدائی نکریں لات و ہبل

حدِ ایام کی بیش از مدد نامیہ سے   بچۂ مرغ چمن تخم سے آتا ہے نکل

سبز ہوتا ہے فصیحی کے سبب سے ہر بار   جو زباں سے سخن اب طوطی کے آتا ہے نکل

دستِ گل خوردہ و شاخ گل و گلزار بہم   بیہاں نشو و نما کرنے میں ہیں ضرب مثل

غنچہ پہ کچھ نہیں موقوف عجب فصل ہے یہ   گل بہم پہونچے ہے عقدہ ہو کسی طرح کا حل

آوے ہے اُن کے نظر لاکھ طرح کا وہ پھول   اُن گلوں چھینٹ جو نگہ کے ہیں سدا مستعمل

یاسمن رنگ جو رکھتی ہے خزاں سے ماتا   چاہتی ہے بسماجت کرے سبزے سے بدل

چشم نرگس کی بصارت کی زبس ہے درپے   غنچۂ لالہ نے سرمہ سے بھری ہے مکحل

اس قدر محوِ تماشا ہے کہ نرگس کی طرح — چشمِ سیارِ گلستاں میں جھپکتی نہیں پل
آبِ جو گردِ چمن لمعۂ خورشید سے ہے — خطِ گلزار کے صفحہ پہ طلائی جدول
سایۂ برگ سے اس لطف سے ہر اک گل پہ — ساغرِ لعل میں جوں کیجیے زمرد کو حل
سنگ نے رتبۂ آئینہ کیا ہے پیدا — تیغِ کہسار ہوئی بسکہ ہوا سے صیقل
برگ برگِ چمن ایسی ہی صفا رکھتا ہے — گل کو دیکھو تو نگہ جا رہے سنبل پہ پھسل
لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم — پاؤں رکھتی ہے جو صحن میں گلشن کے سنبھل
اتنی ہے کثرتِ لغزش زمین بر باغ — جو ثمر شاخ سے اُترا سو گرا سر کے بل
فیضِ تاثیرِ ہوا یہ ہے کہ اب حنظل سے — شہد ٹپکے جو لگے نشترِ زنبورِ عسل
وا نہ جس شور زمیں سے نہ چلا دہقاں سے — سبزہ واں دانۂ شبنم سے ہوا ہے جنگل
کشت کرتے ہیں ہر اک تخم سے از فیضِ ہوا — گرتے گرتے بہ زمیں برگ وبر آتا ہے نکل
سبز فام اندنوں آتا ہے نظر ہر گل رو — خواہ ہو شیخ پسر خواہ ہو فرزندِ مغل
جوہری کو چمنستانِ جہاں میں اس فصل — آ گیا لعل و زمرد کے پرکھنے میں خلل
تا کجا شرح کروں میں کہ بقولِ عرفی — "اخگر از فیضِ ہوا سبز شود در منقل"
نسبت اس فصل کو یہ کیا ہے سخن سے میرے — ہے فضا اس کی تو دو چار ہی دن میں فیصل
اور میرا سخن آفاق میں تا یومِ قیام — رہے گا سبز بہر شمع و بہر یک دنگل
تا ابد طرزِ سخن کی ہے مری رنگینی — جلوۂ رنگِ چمن جاویگا اک آن میں ڈھل
نامِ تلخی نہیں مجھ نطق میں جز شیرینی — یک طرف نار گلستاں میں ہے یکسو حنظل
ہیں یہ وہ مند سخنور مرے ہر مصرعہ سے — مصرعِ سرو سے پایا ہے کسی نے بھی پھل
ہو جہاں کے شعرا کا میرے آگے سرسبز — نہ قصیدہ نہ مخمس نہ رباعی نہ غزل

فجر ہوتے جو گئی آج مری آنکھ جھپک — دی وہیں آ کے خوشی نے درِ دل پہ دستک
پوچھا میں کون ہے بولی کہ وہ میں ہوں غافل — نہ لگے شوق میں جس کے کبھو شائق کی پلک
ہے خوشی نام مرا ہوں میں عزیزِ دلہا — زندگانی کی حلاوت ہے جہاں میں مجھ تک
کھول آغوشِ دل اور سے مجھے جلدی ناداں — پھر خدا جانے یہ دن کب تجھے دکھلائے فلک
سُن کے یہ مژدۂ جاں بخش جو میں کھولی آنکھ — اشعۂ نور کی سی مجکو نظر آئی جھلک

آنکھیں ملک کے جو دیکھوں ہوں تو اک بادلہ پوش — سر سے لے غرق جواہر ہیں وہ ہے پاؤں تلک
حسن ایسا کہ جیسے ماہِ شبِ چاردہم — یک بیک دیکھے تو یکچند ہی رہ جائے جھجک
چہرے میں ایسی ہے گرمی کہ شبِ روز جیسے — باؤ کرتی رہے ہے دامن مژگاں کی جھپک
زلفیں یوں چہرے پہ بکھری ہوئی مانگیں تھیں مول — جس طرح ایک کھلونے پہ ہٹیں دو بالک
جعدہ وہ قہر کی بہنے ہیں ہو جس کے ہر لہر — گھر ڈبا دیتے کو عشاق کے دریائے اٹک
ناگنی پیچ میں آ اُنکے نہ مانگے پانی — کھیں بنا وے دہیں کالا جو ڈسے اسکی لٹک
جبیں ایسی کہ جگر ماہ کا ہو جاوے داغ — اُس کی تشبیہ سے جب اُسکو تجاوز دی فلک
قتل کرنے کا یہ جوہر نہ ہو شمشیر کے بیچ — اُس کے ابرو کے مشابہ نہ بناویں جب تک
ڈھیٹ وہ تیر کہ عالم میں نہ ہو جس کی پناہ — چشم وہ ترک کہ ہو قوم جنھوں کا اُذبک
فتنہ اُس چشم کا ایسا کہ مژہ سے خونخوار — متصل چونکتے پاکر و یا کرتے ہیں تھپک
حسن سے کان کے آویزے ہیں تو لطف کہ جوں — مستعد قطرۂ شبنم کہ پڑے گل سے ٹپک
بحرِ خوبی کی گویا مچھلی ہے قلاب کے بیچ — نتھ کے حلقے میں جو دیکھے کوئی نتھنے کی پھڑک
نظر آیا نہ دہن ہنسی کو تنگی کے سبب — منخریں اپنی سے گو اُن نے تراشی عینک
مسی آلودہ لب انگشت تھے تہ خاکستر — کہ ہوا سے وہ سخن کہنے کو جاتی تھی دہک
سلک گوہر کی صفا وام لے اُن دانتوں سے — برق دریوزہ کرے موجِ تبسم کی چمک
دونوں عارض گویا شیشے ہیں مئے گلگوں کے — زنخ اُن دونوں میں یوں جیسے نمکداں میں نمک
وصف میں اُس کی ملاحت کے پڑھوں اک مطلع — جس کے آگے نہ رکھے مطلع خورشید نمک

مطلع

رنگ رخسار سے شرمندہ ہو کندن کی دمک — آگے غبغب کے خجالت زدہ سونے کی ڈلک
ڈھیلے پیچ اُس کے نے گردن کا بڑھایا یہ حسن — جلوہ گر شمع ہو جیسے تہ دامانِ شبک
ساعد و دست حنابستہ کی ایسی حرکات — شاخ میں گل کے یوں بہنے سے جوں آئے لچک
دیکھے جو اُسکے کچوں کو یہ تیقن ہو اُسے — تنبو یہ تان کے یاں کام کا اُترا ہے کنک
یا وہ معجون مبہی کی ہیں ڈبیاں ایسی — آوے ہیجان میں چھیڑے سے جنھیں روح ملک
پیاری پیاری وہ لگیں نظروں میں ایسی کہ نگاہ — یہی چاہے کہ کبھو پاس سے اُس کے نہ سرک
لنج یہ قصد رکھے ڈال دے تو ہاتھ اُن پر — لنگ کے دل میں بھی آجائے کہ لے بھاگ اُچک

کمر اُس کی میں نہ دیکھی کہ کروں اُسکا وصف / تھی وہ اک آہوئے دل کے لئے چیتے کی لپک
پس میں زانو کو کہوں کیا کہ وہ ہیں آئینہ / اُس سے بھی چھوٹے نہ آنکھ اُس سے لگ جائے تک
آوے جس بزم میں اُس ساقِ بلوریں کا ذکر / جلوۂ شمع کا پامال حسد ہووے نمک
پشت پا چھینے روئے لیلیٰ سے محبوبوں کا دل / خون فرہاد سدا شیریں سے چاہے وہ کفک
وقت نظارہ مری جب نگۂ دیدۂ غور رہ / سر سے لے اُس قدِ رعنا کے گئی پاؤں تلک
فندقِ پا لگی کہنے کہ نہ تو کھیا ہو گا / سرو کی بیخ سے پھولا گل اور رنگ اب تک
قامت ایسا ہے کہ ہنگام خرام اُس کے اگر / آگے آ جائے قیامت تو یہ بولے کہ سرک
قدم اس دھج سے رکھے ہے کہ سرِ عالم کا / موجبِ شور ہو خلخال کی پاؤں کی چھنک
کج و واکج چلے جس طرح وہ اٹکھیلی سے / موج دریا بھی اُسے دیکھے تو رہ جائے ٹھٹک
رزق برق ایسی ہے پوشاک میں اُس کے کہ جیسے / کوند بجلی کی کہوں یا کہوں بجلی کی چمک
جیسی سج سے تھی گلے بیچ حمائل گل کی / ویسی ہی عطر کی بو ویسی ہی سوندھی کی مہک
کیفی یاں تک کہ یہ انداز سخن میں اُس کے / کسی کو ہشت کہہ اُٹھنا کسی کو دوت وہ یک
بات اس لطف سے بہکے تھی دہن سے اُسکے / بادہ جوں ساغرِ لبریز سے جاتا ہے چھلک
غرض اس شکل سے آئی جو نظر وہ کافر / کہا میں دل کی طرف دیکھ کے اللہ معک
ناگہ اُس شوخ نے مجھ سے یہ کہا اے سودا / اب تو شیشہ سے اندوہ کا پتھر سے پٹک
یہ بھی کوئی طرز ہے رہنے کا زمیں پر ناداں / یہ کوئی طور ہے جینے کا ترے زیر فلک
نہ ترے گھر میں کبھو ناچ میں ہوتے دیکھا / نہ ترے در پہ کبھی آ کے پکھاوج کی گمک
آدمی کے تئیں کچھ گرمیِ صحبت ہے شرط / وہ بھی انسان ہے دُنیا میں جو اتنا ہو خنک
گو ترا وضع زمانہ سے ہے دل افسردہ / پر ہم آتے ہیں ترے گھر میں اُدھر دیکھ تنک
ایسے مہماں کی تو لازم ہے کہ خاطر ہو عزیز / جا وہ پھر شیشے میں رکھلا کے نمکدان گزک
بزم آراستہ بلوا کے کر اسباب نشاط / پاس لے بیٹھ ہمیں سب کو چھکا آپ بھی چھک
آج وہ دن ہے کہ جس گھر میں تو دیکھے اُس میں / کہیں ہوتی ہے بھگت اور کہیں ہے اولک
یاں تلک شیخ و برہمن ہیں طرب کے مصروف / دیر میں بجتی ہے مردنگ حرم میں ڈھولک
تارِ تنبور نہیں رشتۂ زنار فقط / لگے سر سازنے میں تسبیح کے بھی دانوں تک
بادہ کو ہاتھ سے زاہد کے نہ پیوسے مُلّا / پر یہ راضی ہے کہ کپڑوں پہ جو چھڑکے تو چھڑک

محتسب سے چلے ہے مست بگرد کر کاندھا
مغبچہ آیا چلا قاضی کے آگے نہ دھڑک

سن کے میں نے یہ کہا اُس سے کہ اے مایۂ ناز
خیر ہے بات سمجھ کر تو کہہ اتنا نہ بہک

بے سبب کیونکہ میں اندوہ کی الفت چھوڑوں
کس طرح دوستی غم کروں دل سے منفک

وجہ کچھ ہووے تو کر مجھ سے تو اُس کا اظہار
کچھ جہت ہو تو بیاں کر کہ سنوں میں بھی تنک

کر کے دریافت یہ مجھ سے کہا اُس نے کہ مگر
سمع میں تیرے یہ مژدہ نہیں پہونچا اب تک

آج اُس شخص کی ہے سالگرہ کی شادی
کہ بصورت ہے وہ انسان و بسیرت ہے ملک

سوائے خاک نہ کھینچوں گا منتِ دستار
کہ سرنوشت لکھی ہے میری بخطِ غبار

چمن زمانہ کا شبنم سے بھی رہے محروم
اگر نہ رووے میرے روزگار پر شبِ تار

کروں ہوں تیز میں دندان اشتہا ہر صبح
زمانہ سنگِ ملامت سے توڑتا ہے نہار

عجب نہیں ہے کہ جاتے رہی ہو دنیا سے
زبس خوشی نے میرے دل سے اب کیا ہی کنار

شراب خونِ جگر ہے مجھے گزک دلِ خویش
صدائے نالۂ دل ہے مجھے ترانۂ یار

رہی نہ شیشۂ صحبت کے بیچ کیفیت
نت[۱] اُٹھ کے سنگ سے اس سر کا توڑتا ہی خمار

زمانہ دل کو میرے اور عہد یار کو اب
شکست سے نہیں دیتا ہے ایک آن کو قرار

زبسکہ دل ہے مکدر میرا زمانہ سے
بجائے اشک میں آنکھوں سے پونچھتا ہوں غبار

کہاں تلک وہ کرے روزگار کا شکوہ
کہ جس کے بخت کی سوگند کھائے بر ادبار

دلا تو اپنے غم دل کو اب غنیمت جان
بدل خوشی سے لُٹے وہ دہر میں فکر زنہار

کسو[۲] ہی سے غم دل یوں نہ لے گیا دوراں
کہ شادی مرگ کیا ہو نہ اُس کو آخر کار

جو گوش ہوش نو رکھتا ہے تو برابر ہے
صدائے نغمۂ داود و نالۂ دلِ زار

تو سادہ لوحی سے اے دل جہاں کے ہے کج فہم
کرتے[۳] ہے ہستی اپنی سے ہر زباں گفتار

ہیں حرف حق کو سنتا ہے زبانیٔ منصور
کہ راست گو کو زمانہ میں کھینچتے ہیں دار

عجب نہیں کہ ہے ابلیس اس سبب مخفی
کہ ہو جئے گا عبث مردم جہاں سے دوچار

۱؎ یعنی روزانہ۔ اب متروک ہے ۱۲
۲؎ پہلے کسو کہتے تھے اب اُس کے بجائے کسی کو کہتے ہیں ۱۲
۳؎ اب کرتا ہے کہتے ہیں ۱۲

شب گذشتہ نپٹ[1] درد سے میں تھا بیتاب — گذر گیا چمن فکر کی طرف ناچار
سنی میں ایک غزل بلبل طبیعت سے — کہ لخت دل گرے آنکھوں سے اب ہزار ہزار
نہ پوچھ مجھ سے کدھر ہے خزاں کہاں ہے بہار — کہ بلبل قفسی کو ہے گل سے کیا سروکار
عجب نہیں ہے کہ باد سموم ہو جاوے — نسیم گر کرے یکدم میرے چمن سے گذار
نہیں ہے شادی بے غم چمن میں دنیا کے — کہ گل ہنسے ہے گریبان پیرہن کو پھاڑ
کہاں بہار کہاں ساقی اور کہاں ہے شراب — کہاں مغنی و مطرب کدھر ہے ناخن و تار
فلک کے ہاتھ سے اتنی بھی وا ہے نہ رہے — کہ خوب روئیے دل کھول کر پکار پکار
شکستگی سے مجھے دل کی یوں ہوا معلوم — فلک نے گوشۂ خاطر کو بھی کیا مسمار
پڑا پھرے ہے اسی فکر میں سدا ظالم — کسو طرح سے کسو دل کو دیجئے آزار
رکھے ہے مجھ سے خصوصاً عداوت قلبی — جہان خام کو یوں دے کے اپنے دل کو قرار
کہ خاک کر کے اسے ہند میں بناؤں گا — چراغ بتکدہ و خشت خانۂ خمار
کدھر خیال کو اب لے گیا ہے بے مغز — زمیں عجز ہے سر اس کا ہو لئے کج رفتار
دکھاؤں گا اسے اب مرد یوں کریں ہیں عزم — مشیت ازلی بھی جو ہووے ہم سے برار
نور و سیاہ کو اس ہند کا کوئی دن میں — اسی دیار کے گلیوں کا ہو جئے کا غبار

سودا

---

(۲)

بگیاں پھولوں کی تیار کرا رہے ہوئے سمن — کہ ہوا کھانے کو نکلینگے جوانان چمن
عالم اطفال نباتات پہ ہوگا کچھ اور — گورے کالے سبھی بیٹھینگے نئے کپڑے پہن
کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر — کرسی ناز پہ جلوہ کی دکھاوے گا پھبن
شاخ نازک سے کوئی ہاتھ میں لیکر اک بیت — ہو الگ سب سے نکالے گا نرالا جوبن
نسترن بھی نئی صورت کا دکھا دیگا رنگ — کوچ پہ ناز کے جب پاؤں رکھیگا بن ٹھن
پینے گیلاس شگوفہ بھی کریں گے حاضر — آگے جب غنچۂ گل کھولینگے بوتل کے دہن

---

[1] اب متروک ہے۔ یعنی بہت بے تاب ۱۲

اہل نظارہ کی آنکھوں ہی نظر آویں گے　　باغ میں نرگس شہلا کے ہولئے چتون
اور ہی جلوے نگاہوں کو لگیں گے دینے　　اودی بانات کی کرتی سے شکوہ سوسن
پتے ہل ہل کے بجا دینگے فرنگی طنبور　　لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن
کھینچ کر تار رگ ابر بہاری سے کئی　　خود نسیم سحر آوے گی بجاتی ارگن
اپنی سنگینیں چمکتی ہوئی دکھلا دینگے　　آپڑے گی جو کہیں نہر پہ سورج کی کرن
نے تواری کے لئے کھول کر اپنی منقار　　آکے دکھلاوے گی بلبل بھی جو ہے اسکا فن
اردلی کے جو گراں ڈیل ہیں ہونگے سب جمع　　آن کر اپنا بگل پھونکے گا جب سکھدرشن
آئیگا ندی کو شیشہ کی گھڑی سے کے حباب　　یا سمیں پتوں کی ہینس میں چلے گی بن ٹھن
نکہت آوے گی نکل کھول کلی کا کمرہ　　ساتھ ہووے گی نزاکت بھی جو ہے اس کی بہن
حوض صندوق فرنگی سے مشابہ ہونگے　　اس میں ہو وینگے پریزاد بھی سب عکس فگن

(انشا)

---

(۳۷)

شب کو میں اپنے سر بستر خواب راحت　　نشۂ علم میں سرمست غرور و نخوت
مزے لیتا تھا پڑا علم و عمل کے لپٹے　　تھا تصور مرا ہر امر میں تصدیق صفت
ہو گیا علم حصولی تھی حضوری مجھ کو　　تھا میرا ذہن نہ محتاج حصول صورت
جو مسائل نظری تھے وہ بدیہی تھے تمام　　عقل کو تجربے کی اتنی ہوئی تھی کثرت
نہ غرض مجھ کو نتیجے سے نہ تھا شکل سے کام　　تھی میری فکر کو ہر شکل عطائے عصمت
ذہن میں سب میرے حاضر صور علمیہ　　پر جتانی نہ تھی منظور مجھے علمیت
چار و ناچار جو ترغیب سے یاروں کے کبھی　　درس و تدریس پہ آجاتی تھی مجکو رغبت
کبھی ہمت تھی مری قاعدۂ صرف میں صرف　　کبھی نفی نحو میں ہر نحو مجھے محویت
کبھی منطق کو تفوق تھا میرے ناطقے سے　　تحت حکمت ہو یہ گرچہ ہے نہ تحت حکمت
کبھی میں کرتا تھا تصریح معانی و بیاں　　کبھی میں کرتا تھا توضیح نجوم و ہیئت
کبھی تفسیم تو الفن کبھی تقسیم اصول　　کبھی تعلیم عقائد بکتاب و سنت
کبھی تھا علم الٰہی کی طرف ذہن رسا　　کبھی کرتی تھی طبیعی میں طبیعت جودت

کبھی تھا عقل پہ مذہب مرا بنا حکم کبھی مثل متکلم مجھے پاس ملت
کبھی کرتا تھا قدم چرخ کا ثابت بجہات اور کبھی کرتا تھا باطل بسمار الشقت
کبھی انکار قیامت پہ میں لاتا تھا دلیل کبھی تکرار تناسخ پہ مجھے سو حجت
حشر اجساد میں تھا گاہ تردد مجھ کو کبھی تھی عالم برزخ میں مجھے اک حیرت
کبھی تھی عرصۂ تدویر فلک کی مجھے سیر کبھی میں ناپتا تھا سطح زمیں کی وسعت
کبھی ثابت میرے نزدیک فلک کی گردش کبھی مثبت میرے نزدیک زمیں کی حرکت
کبھی میں کرتا تھا اعراض میں جوہر قائم کبھی میں کرتا تھا معقول سے ثابت علت
کبھی منقول پہ مائل کبھی سمتِ معقول کبھی میں فقہ پہ راغب کبھی سوئے حکمت
کبھی میں حافظ قرآن بعلم تفسیر کبھی میں قاری قرآں بعلم قرأت
کبھی کرتا تھا مجسطی پہ حواشی تحریر کبھی کرتا تھا اشارات و شفا کی صحت
کبھی میں کرتا تھا قانون سے تشریح علاج کبھی میں کرتا تھا قاموس میں تصحیح لغت
کبھی میں نبض سے بنیندۂ بیمار و صحیح کبھی میں نبض سے دانندۂ ضعف و قوت
گہ نباتات کی آگاہ میں کیفیت سے گہ جمادات کی معلوم مجھے خاصیت
کبھی مشائیوں سے کرتا تھا میں پیشروی کبھی لے جاتا تھا اشراقیوں پر میں سبقت
کبھی میں نفی حقائق میں تھا سوفسطائی کبھی میں معتزلی باعث رد رویت
کبھی میں جبری و مجبور بعقل و تدبیر کبھی میں قدری و مختار بقدر طاقت
گہ ملاحدہ کی تھی تردید کلام اتحاد گہ وجودی و شہودی سے بیان وحدت
جوں مہندس کبھی مالوف بشکل مقدار جوں محاسب کبھی مصروف بضرب و قسمت
کبھی حرفوں سے تھا مطلوب مثال جفار کبھی کچھ نقطے سے مقصود تھا رمال صفت
خانۂ کعبہ سے خارج کبھی شکل داخل شکل خارج تھی کبھی داخل بیت قربت
کبھی کرتا تھا قران مہر و زہرہ پہ نظر کبھی تھا دیکھتا مریخ و زحل کی رجعت
کبھی افسون و عزیمت کبھی تعویذ و طلسم کبھی تجویز زکوٰۃ اور کبھی قصد دعوت
کبھی تھا علم قیافہ پہ یہ ادراک مجھے ایک صورت سے بیاں کرتا تھا میں سیرت
کبھی میں رہتا سر و دہم میں تھا ایسا مشغول کہ نہ تھی ایک نفس ضبط نفس سے فرصت
سیمیا سے کبھی تصویر کشش موہومات کیمیا سے کبھی میں زرکش گنج و دولت

کبھی شیخ شیوخی تھا کبھی شیخ رئیس　　کبھی علامہ کبھی صوفی صافی طینت!
کبھی میں قرب فرائض سے تھا عالی درجہ　　کبھی میں قرب نوافل سے تھا عالی نیت
مائل موسقی ایسا کہ ادا کرتا تھا　　کبھی میں بارہ مقام اور کبھی چاروں ملت
کبھی میں شاعر غرّا و ادب دان بلیغ　　نظم میں نام میرا نثر میں میری شہرت
کبھی کرتا تھا عروضی کا بھی میں قافیہ تنگ　　طبع موزون کی دکھاتا تھا جو موزونیت
کبھی پیش نظر انجیل و زبور و توریت　　کبھی مصحف میں نظر میری سر ہر آیت
کبھی زردشتیوں میں ایسا کہ سارے موبد　　ژند پا ژند میں کہتے تھے مری تبعیت
کبھی یہ آگہی شاستر و بید و پران　　کروں ایک بات سے پنڈت کی کتھا میں کھنڈت
کبھی میں لغز و معما میں نہایت ذیہوش　　کبھی اخبار و تواریخ میں صاحب خبرت
آخرش دیکھا تو العلم حجاب الاکبر　　عاقبت پایا تو ہاں آپ کو اہل جنت
فائدہ کیا جو ہر اک علم کی جانی تعریف　　فائدہ کیا جو ہر اک فن کی کھلی ماہیت
فائدہ کیا کہ جو دیکھے کتب ہر مذہب　　فائدہ کیا جو ہوئی آگہی ہر ملت!
عقل سے گرچہ کیا مائدہ ایسا پیدا　　کہ بہر شکل ہو اک تازہ محلّ صورت
یا بنائی کوئی صورت کہ جسے دیکھ کے ہو　　ہیکل روم سے بتخانۂ چیں تک حیرت
بے مقدر نہ پڑی صورت بہبود نظر　　دور آئینۂ دل سے نہ ہوا زنگ کلفت
پڑھوں اک مطلع برجستہ میں اس موقع پر　　جس کو سن کر کہیں حسنت سب اہل فطنت

مطلع ثانی

گر نہ دے صاحب جوہر کو مقدر عزت　　جوہر فرد ہے بالفرض تو کیا بے قسمت
کیا ہوا علم معقول سے اگر کیف کے ہے　　لیک بے یاوریٔ بخت نہیں کیفیت
قاضی چرخ بھی جو تو ہے تو کیا گر تیرے　　مثل دہقان فلک رکھتے ہیں طالع نکبت
دور گردوں نہ موافق ہو تو ہوا ور خفیف　　جرّ اثقال میں تو جتنی اٹھائے محنت
آگے برگشتگیٔ بخت کی چلنے کی نہیں　　نظری و عملی کوئی بھی تیری حکمت
گو فصاحت میں تو سحبان ہی ٹھے بے تقدیر　　حرف مطلب پہ زباں کو ہو تری سو لکنت
گو ریاضی میں ہے صناع اگر وقت ہے بد　　نقش باطل ہے تری شکل ہو جسمیں صنعت

کیا ہوا جانا اگر مسئلۂ بیر و منات
پستی بخت سے جو تجھکو نہیں ہے رفعت

کام تقویم نہ آئے نہ ترے اصطرلاب
طالع بد ہے اگر نیک نہ آئے ساعت

علم سے ہو نہ کبھی چارۂ آزار نصیب
طور سینا بھی ہے کیا سینے میں جو ہے حسرت

سود و اثمس ترے نسخے میں ہیں پے تقدیر
نہو بالخاصہ تاثیر نہ بالکیفیت

علم نیرنج سے گو بو دے تو نخل نارنج
بے مقدر نہو حاصل ثمرِ خوش لذت

علم سے جو سبق آموزِ ملائک تھا دیکھ
بخت بد سے ہوا مستوجبِ رجم و لعنت

ہوا مسجود ملائک یہ ظلوم اور جہول
یعنی انساں قوی بخت و ضعیف الخلقت

گو تصوف سے ہو تو صوفیٔ سجادہ نشیں
بے مقدر نہ کرامت ہو نہ خرق عادت

علم سے لاکھ ہو شیخی تری پر بے تقدیر
نہ کہے کوئی تجھے شیخ علیہ الرحمت

یہ مقالات مثال قصص مصنوعہ
ہو گئے اک بار جو افسانۂ خواب غفلت

لگ گئی آنکھ میری خواب میں کیا دیکھتا ہوں
کہ مجسم نظر آئی ہے نوید بہجت

اللہ اللہ رے حسن اسکا سر تا بقدم
تھا وہ خلقت کا تماشائے ظہور قدرت

یاد کرتا قد رعنا کو ہے اس کے زاہد
دم تکبیر جو کہتا ہے سدا قد قامت

چشم وحشی کو اگر اپنے وہ دکھلائے تو
چشم آہو سے ہرن نشۂ جام وحشت

دل شامت زدہ کے درپئے تدبیر ہلاک
زلف واژوں تھی وہ رخسار پہ واژوں نیت

آتش حسن سے اک شعلۂ سرکش بینی
موجۂ دود لطیف اس کی بھنوؤں کی حالت

فوج مژگاں وہ بلا ہو وے صف آرا تو کرے
دست بیداد سے یکدست دو عالم غارت

چاہِ بابل وہ ذقن اور دھواں زلف کا کس
دل گرفتارِ عذاب اس میں ہو ہاروت صفت

لعل شیریں کی حلاوت پہ جو شے جان عاشق
تو دم نزع بھی عناب کا چاہے شربت

نہ دم شرم تبسم سے لب اسکے خوگر
نہ تغافل سے ان آنکھوں کو نگہ کی عادت

کھول دے معنی معدوم کمر کی جنبش
وا کرے عقدۂ موہوم لبوں کی حرکت

مطلع ثالث

شوخی اس چہرے میں یوں گل میں ہے جیسے حرت
ناز یوں چشم میں نرگس کی ہو جیسے نکہت

لب پاں خوردہ کی شوخی کے ہیں لگے اک ب
کہ لگا دے وہ مسیحا پہ بھی خوں کی تہمت

نازک اندام وہ اور سنگدل اتنے بھی ہوا
آیا حسن سنگدلوں کے لئے ہر قسمت

سیلی سینے پہ نہ تھی جدپس پشت کا عکس
نظر آتا تھا صفائی سے الف کی صورت

چھپتی رنگ کا سلیپنے وہ دکھا کر عالم
ایک عالم کا ہو دل رے کے بغل میں چپیت

اللہ اللہ رے تری تمکنت اور اس پہ تمیز
واہ رے تیرا تبختر تری بل بے نخوت

قہر انداز بلا ناز قیامت طلعت
سحر چشمک ستم ایجاد کرشمہ آفت

جابجا عالم مستی میں قدم کو لغزش
دمبدم نشۂ صہبا سے زباں کو لکنت

آنکھ اس رشک مسیحا نے کہا بالیں پر
لاغم و تم کہ یہ غافل نہیں وقت غفلت

شور بختی سے نہ آتنا نمک افشاں ہو کہ ہو
بادۂ میکدۂ عیش کی کم کیفیت

کیا سبب ہوتا کدورت سے نہیں کیوں خالی
دل ترا شیشۂ ساعت کی طرح اک ساعت

بزم ہستی میں تو سنس بول بنیگا کب تک
صورت شمع سحر سوختہ رونی صورت

آتش دل سے ترے گوشۂ تنہائی میں
بن گئے شعلۂ جوالہ کمند وحدت

وقت ضائع نہ کر اٹھ بستر اندوہ سے تو
چل در میکدہ تک ہے حرکت سے برکت

فکر باطل سے نہ کر دل کو خنک تو اپنے
ہے تجھے مثل سحر یک دو نفس کی مہلت

دیکھ تو کیا افق مشرق انوار سے ہے
جلوہ افروز رخ بانوئے صبح عشرت

ادہم لیل سر عرصہ ہے برگشتہ عناں
اشہب روز سبک سیر ہے سوئے ساحت

جانب شرق ہے توری قلق بال کشا
جانب غرب ہے پرواز غراب ظلمت

چرخ مینائی پہ اک سبز پری کا عالم
شفق صبح پہ اک لال پری کی حالت

نکہت گل جو ہوا میں تو ہوا عطر فشاں
تازگی گل کو چمن سے تو چمن کو نزہت

کھلے ہی جاتے ہیں سب غنچے رہے جوش نشاط
لوٹے ہی جاتے ہیں گل بل بے منسی کی شدت

آج یہ جوش پہ ہے رحمت باری کہ کہیں
نہ رہی کلفت عصیاں سے جہاں میں ظلمت

طفل نو مشق کی مشق کی طرح سو سو بار
دھوئے مستوں کے سینہ نامہ کو ابر رحمت

کہے یہ رند کا و زہد فروش آگ نہ پھانک
مانگے گر بادۂ نو زہد کہن کی قیمت

قل ہوا زہد کا قلیا ہوئی زاہد کی تمام
سنتے ہی قلقل مینائے شراب عشرت

اس قدر ساز طرب ساز کی آواز بلند
چھیڑیں گر تار کھرج کا تو ہو پیدا صیوت

نغمہ برلب کہیں مطرب پسر زہرہ جبیں
جام در دست کہیں مغبچۂ مہ طلعت

لیکے انگڑائی کہیں ہنسنے لگی رام کلی
اٹھی ملتی ہوئی آنکھوں کو کہیں اپنی للت

چشمِ سرمست میں نازمیں کا جل پھیلا
لب میگوں پہ مسی کی پڑی پھیکی رنگت

بے نمک آیا نظر حسنِ مہ و انجم و چرخ
ہو گیا زرد رُخِ شمعِ چراغِ خلوت

جو نکلے مرغِ سحری عرش سے آوازِ خروس
ہو گئی خواب کو آوازۂ کوس رحلت

باغِ عالم میں ہیں مرغان الوالاجنحہ تک
مثلِ مرغانِ سحر نغمہ طرازِ عشرت

دی ہے مسجد میں موذن نے اذاں بہرِ نماز
باوضو ہو کے نمازی نے ہی باندھی نیت

ہوئی بتخانے سے ناقوس کی پیدا آواز
چلے جمنا کو برہمن کوئی لے کر مورت

اُٹھے میخوارِ صبوحی کے لئے لیکے سبو
کہ عداوت ہے اگر کیجئے ترکِ عادت

اِک طرف سے ہوئی گھڑیال کی آواز بلند
ایک جانب سے لگی آنے صدائے نوبت

زہے نشاط اگر کیجئے اسے تحریر
عیاں ہو خامے سے تحریرِ نغمہ جائے صریر

زباں سے ذکر اگر چھیڑیئے تو پیدا ہو
نفس کے تار سے آوازِ خوشترازبم و زیر

ہوا یہ باغِ جہاں میں شگفتگی کا جوش
کلیدِ قفلِ دلِ تنگ خاطرِ دلگیر

کرے ہے والبِ غنچہ درِ ہزار سخن
چمن میں موجِ تبسم کی کھول کر زنجیر

کچھ انبساط ہوائے چمن سے دور نہیں
جو وا ہو غنچۂ منقارِ بلبلِ تصویر

قفس میں بجنے کے بھی شوقِ نغمہ سنجی ہے
عجب نہیں کہ ہو مرغِ چمن بلند صفیر

اثر سے بادِ بہاری کے لہلہانے سے
زمیں پہ ہمسرِ سنبل ہے موجِ نقشِ حصیر

نکل کے سنگ سے گر ہو شرارہ نجم فشاں
تو سبز فیض ہوا سے ہو وہ برنگِ شعیر

زمیں پہ گرتے ہی سے آگئے دانہ برگ و ثمر
جو ٹوٹے ہاتھ سے زاہد کے سبحۂ تزویر

ہوا پہ دوڑ تا ہے اس طرح سے ابرِ سیاہ
کہ جیسے جائے کوئی پیل مست بے زنجیر

نہ خارِ دشت ہیں گرمی میں خوابِ مخمل ہے
ہر ایک تارِ رگِ سنگ بھی ہے تارِ حریر

ہوا میں ہے یہ طراوت کہ دودِ گلخن بھی
برستا اُٹھے ہے آتش سے مثلِ ابرِ مطیر

یہ آیا جوش میں بارانِ رحمتِ باری
کہ سنگ سنگ میں ہے سنگِ دیدہ کی تاثیر

ہر ایک خار ہے گل ہر گل ایک ساغرِ عیش
ہر ایک دشت چمن ہر چمن بہشت نظیر

ہر ایک قطرۂ شبنم گہر کی طرح خوش آب
ہر اک گہر گہرِ شب چراغ پُر تنویر

کرے ہے صبح شکر خندہ اس مزے کے ساتھ
کہ جس طرح بہم آمیختہ ہوں شکر و شیر

سنوارتی ہے جو شام اپنی زلفِ مشکیں کو
سوادِ مشک ختن پر ہیں لاکھ آہو گیر

نہال شمع سے ہر شب چنے گل خوشبو
بہار عیش ہیں گلچیں کی طرح سے گلگیر

ہنسے چراغ تو اس سے ہنسی ہیں پھول جھڑیں
حیا سے رنگ گل آفتاب ہو تغییر

رہے ہے چرخ پہ ہر صبح جام صبوحی کش
بپاس درازیٔ ریش آفتاب ساغر گیر

عجب نہیں ہے کہ آرائش زمانہ سے
حنائی پنجے ہوں تاک و چنار و بید انجیر

چمن میں ہے یہ درختان سبز پہ جوبن
کہ نہر کھاتے ہیں سبزانِ خطۂ کشمیر

نہ کیونکہ دیکھ کے گلشن کو یہ پڑھوں مطلع
کہ آئے ہے نظر اک قدرت خدائے قدیر

ظہور نرگس گل جلوۂ سمیع و بصیر
نسیم نکہت گل اظہر و لطیف و خبیر

شمیم عیش سے ہے یہ زمانہ عطر آگیں
کہ قرص عنبر اگر ہے زمین تو گرد عبیر

حمل سے حوت تلک جا بجا ہیں تصویریں
بنا ہے عالم بالا بھی عالم تصویر

جہات ستہ سے بزم جہاں ہے وسعت خواہ
کہ ہے ہجوم نشاط و سرور جمّ غفیر

زمانہ دشمن عشرت کا اس قدر قاتل
مہ صیام کو دیکھے نہ کوئی بے شمشیر

ہوا ہے مدرسہ یہ بزم گاہ عیش و طرب
کہ شمس بازغہ کی جا پڑھے ہیں بدر منیر

اگر پیالہ ہے صغریٰ تو ہے سبو کبریٰ
نتیجہ یہ ہے کہ سرمست ہیں صغیر و کبیر

زمین میکدہ یہ خندہ نشاط انگیز
کہ لائے مے سے ہو دیوار قہقہہ تعمیر

(ذوق)

---

(۴)

باغ پر آج گھٹا ٹوپ اٹھا ہے بادل
خسرو بادِ بہاری کا کھنچا دل بادل

ابر خیمہ ہے تو بوندیں ہیں طناب خیمہ
چوب خیمہ ہے دھنک سبزہ ہے فرش مخمل

جھک پڑی کالی گھٹا دن ہوا برسات کی رات
سب کو ہر پھر کے دکھا جاتی ہے بجلی مشعل

باغ میں چاروں طرف آگ لگا دی گل نے
سبزہ جھاڑوں پہ گلستاں میں چڑھے لال کنول

شجر الاخضر نارا کا تماشا دیکھا
لن ترانی کی نہ لے قدرت صانع اتل

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار ند   دستِ صنّاعِ ازل میں ہے بخارات کی کل

کبھی چھایا ہے سفید ابر کبھی ابرِ سیاہ   کہ فرنگی کا عمل ہے کبھی زنگی کا عمل

تحت و فوق ایسی بہاری نے لگائی ہے آگ   ق   کہ گلِ لالۂ پُر داغ سے تا اوجِ زحل

اب کے سال اُٹھے ہیں اس درجہ بخارات بپا   کہ تمام ابر کا کالا ہوا اُجلا کمبل

آتشِ نالۂ طاؤس سے اُٹھا جو دھواں   ہو کے یکجا وہ بخارات گھر آیا بادل

یہ وہ اژدر ہیں کہ حیواں کو نگل جاتے ہیں   ابھی اُٹھیں جو گھٹائیں تو گھر سے برجِ حمل

درد سر اُسکے ہوا سن کے صدائے طاؤس   برق نے ابر کے ماتھے پہ لگایا صندل

اک برس بعد ہم آغوش ہوئے ہیں دونوں   ہے دمن برق وہاں ابرِ سیہ راجا نل

آگئی ابر میں پانی سے غضب کی پھسلن   برق کا پاؤں ہر اک مرتبہ جاتا ہے پھسل

جا بجا لالہ و صد برگ ہیں یہ عکس فگن   لال پیلے نظر آتے ہیں فلک پر بادل

کانٹے پتوں کی زبانوں میں پڑے تھے شائد   پیلے ابر جو بھر بھر کے پکھالیں چھاگل

وہ اُٹھیں کالی گھٹائیں کہ خدا خیر کرے   ان میں شیدی نظر آتا ہے مجھے ہر اک پل

زیج میں پڑ کے ہولنے اُنہیں سنکایا ہے   ایک اُستاد ہے ڈالا ہے غضب کا ہل چل

اینڈوا نالۂ مہتاب بنا لایا ہے   ڈنڈ پہ خاک چڑھا دیتی ہے آندھی اوّل

ورزشیں کرنے لگیں نہر چمن کی موجیں   ان کو شمشاد کے طرّے کی بڑھانے پہ آبل

بد دیا ہے چمنستاں میں اکھاڑا کب سے   دونوں جانب سے وہ خم ٹھوک کر آئے بادل

گل کے ماتھے سے ہے بہاری کا پیالہ اس فصل   سرو کے سر ہے جوانانِ چمن کا دنگل

رعد چلّا کے یہ ہر ایک سے کہہ جاتا ہے   ہاں خبردار خبردار سنبھل دیکھ سنبھل

قہقہہ مار کے گل کہتے ہیں سبحان اللہ   بارک اللہ ہے پتوں کی زباں پر ہر پل

یوں شرابور ہیں بارانِ بہاری سے سرو   جیسے چوٹی کے شوالے میں چڑھے گنگا جل

ابر پہ یوں نظر آتا ہے خمِ قوسِ قزح   جس طرح سینۂ معشوق پہ آڑی ہیکل

یوں اُڑائے لئے جاتی ہیں ہوائیں بادل   جس طرح کانور تھی لے کے چلیں گنگا جل

پھولے ہیں بادِ بہاری پہ جوانانِ چمن   شاخیں ہلتی ہیں کہ شادی کی بجاتے ہیں بغل

گری پڑتی ہے درختوں پہ صبا مستانہ   غنچے کہتے ہیں چٹک کر کہ سنبھل دیکھ سنبھل

مسکراتا ہے کوئی کوئی ہنسا پڑتا ہے
غنچہ و گل میں دمِ صبح سے ہوتی ہے چہل

کوئی گل پھوٹے گا شوشہ کوئی پیدا ہوگا
رات سے حاملۂ غنچہ بہت ہے بے کل

لہلہاتا ہے وہ سبزہ کہ ٹھہرتی نہیں آنکھ
مخمل سبز پہ جس طرح ہو خواب مخمل

زخمِ گل باغ میں یک لخت ہرے ہو جائیں
چمن تیغ ہوا سے جو چمن ہو مقتل

کیا یہ نو بادۂ گلشن ہیں زمرد کے درخت
ہری کونپل ہری شاخیں ہرے پتے ہرے پھل

کچھ نظر کام نہیں کرتی ہے ہریالی میں
پاس سے بھی نظر آتے نہیں توتے ہریل

کیا گرا خاک پہ یارب فلکِ مینائی
سبز دامن سے ہے چوٹی تلک ایک اک جبل

ڈالیاں ہیں دمِ طاؤس گھنے پتوں سے
ابھی طاؤس کی چوٹی ہو جو پھوٹے کونپل

ق
منہ کو دھو دھا کے وہ رومی نے اٹھایا پردہ
چاند شفاف ہوا اور کھلا جب بادل

ماہِ تاباں نے ہر اک نہر کی قلعی کھولی
ہو گیا آئینۂ آبِ رواں پر صیقل

ق
گرد ہالہ ہے کہ کھینچا ہے کوئی خطِ حصار
ماہِ شب خیز نے چلے میں پڑھا کوئی عمل

قاف سے اڑتی چلی آتی ہیں پریاں یعنی
وہ بخار اٹھے پہاڑوں سے وہ آئے بادل

یوں گھرا ابر کہ سورج نظر آتا ہی نہیں
ایک سونے کا ورق ہو گیا کیوڑے میں حل

مہر یوں ابر کے لکوں میں چھپا رہتا ہے
جیسے اکثر گھنے پتوں میں چھپے پکا پھل

ابر میں ڈوب گیا مہر تعجب ہے کمال
کہ دبے روئی کے گالے میں یہ جلتی مشعل

قرصِ خورشید تہِ ابر نظر آتا ہے
جیسے ندی میں بھنور یا کسی پانی میں کنول

چرخ اول ہے ستاروں سے زمینِ گلشن
ہے زمیں سبزۂ نوخیز سے چرخِ اول

گولیاں نالۂ بلبل کی چلیں سوئے فلک
خوف ہے ٹوٹ نہ جائے کہیں یہ شیش محل

چرخ نیلی نظر آتا ہے گلِ نیلوفر
حوض تالاب لبالب ہیں بھرے ہیں جل تھل

شور سرفا ہے درد اس کے اٹھا تھا سر میں
مل دیا چرخ کے ماتھے پہ سحر نے صندل

باغ رنگیں پہ جو ہر وقت جھکا رہتا ہے
کہیں گلدستۂ شیشہ نہ ہو چرخ اول

کھولے ہیں باغ نے اپنے ورقِ زنگارنگ
اس پہ مینے کی بنائی ہے دھنک نے جدول

قابل سجدۂ شکرانہ ہے گلشن کی زمیں
جو چلا ابر سے قطرہ وہ گرا سر بہ بغل

سرو نے انگلی اٹھائی ہے شہادت کیلئے
بید ہے ساجد درگاہِ خدا عز و جل

یہ چمن زار کجا گلشن فرخار کجا
نقش ثانی کو یہ پہنچتا نہیں نقش اول

گل کی شاخوں پہ عنادل کا چہکنا دیکھو | روضہ خوانی کے لیئے بیٹھے ہیں منبر پہ مغل
زر پہ گل پھوے ہیں بلبل کی فغاں ناحق ہے | کسی نادار کی سنتے ہیں کہیں اہل دول
سرو نے نالۂ قمری کا اثر دیکھ لیا | جو ستاتا ہے کیسکو وہ نہیں پاتا پھل
کیمیا کی کوئی بوٹی نکل آئی شائد | آتش گل سے جو گلزار بنا ہے صندل
ہے یہی آتش گل تیز تو اک دن سننا | نخل موئیں کی طرح جائے گا ہر نخل پگھل
قامت آہوئے زمیں ہیں گل خودرو شائد | مشک کی بو سے مہک اٹھا ہے سارا جنگل
عارض گل ہیں وہ شفاف کہ لگتا نہیں داغ | ہاتھ تو ہاتھ نظر جاتی ہے گلچیں کی پھسل
گل وہ پھوے ہیں کہ چھپ جائیں عنادل اسمیں | جیسے بھونرے کو چھپا لیتا ہے پانی میں کنول
ق گل سوسن کو جو توڑو تو مرا بخت سیاہ | سرو و شمشاد کو چھانٹو تو مرا طول امل
سونگھو لالے کو تو یک لخت مرا خون جگر | دیکھو سنبل کو تو بالکل مری قسمت کا بل
کیا ہی شاداب ہیں گل رنگ چوا پڑتا ہے | شاخ گل کہتی ہے بلبل سے کرے مہندی مل
شہد چکھے تو معطر ہو دماغ لذت | بیٹھ جائے جو کسی پھول پہ زنبور عسل

شاہد فصل بہاری ہے غضب کی چنچل | کبھی پھولوں سے ہنسی ہے کبھی غنچوں سے چہل
سوسنوں نے لب غنچہ پہ ملی ہے مستی | چشم نرگس میں شقائق نے لگایا کاجل
شاخیں جھک جھک پڑیں یا شاہد فصل گل نے | ناز سے ڈال لیا سر پہ الٹ کر آنچل
سوسنوں سے رخ لیلی کا بھی مدہم ہے رنگ | زلف لیلی سے سوا ہے کہیں سنبل کا بل
شیشیاں عطر کی کھولی ہیں گل خوشبو نے | تا دماغ گل زنبق سے نکل جائے خلل
سرو کے سامنے آنکھیں نہیں کرتی ہی ہما | جس طرح سامنے دولہا کے دلہن پہلی پہل
خسرو گل کو کمی کیا گہر شبنم کی | راجا گھر موتیوں کا کال نہیں ہے وہ مثل
ایسی برسات کے پانی سے لبالب ہیں چمن | پھول جو اس سے ابھرتے ہیں وہ ہوتے ہیں کنول
چوب چینی ہے گل سرخ نے کھائی شائد | نرگسوں کے لئے طیار ہوا اطریفل
ہے جو خدمت میں جوانان چمن کی سرگرم | باغباں تجھ کو ملیگا تری خدمت کا پھل
قابل دید ہے گلشن میں ریاضی کی بہار | ہے عجب ہندسۂ قدرت مرتاض ازل
سطح گلشن پہ ہیں جیسے چمنوں کی شکلیں | گول ہیں کوئی تکونی ہیں کوئی ہشت پہل

روشیں قاعدے ہیں سروِ چمن اُن پہ عمود — آبشاروں کے محیطوں نے کیا اپنا عمل
قائمہ زاویہ ہے کنجِ گلستاں ہر ایک — دیکھ لی مہندی کی ٹٹی نے بنا کر جدول
بیلچہ ہاتھ میں پرکار ہے تختۂ گلزار — باغباں روز کیا کرتا ہے سب شکلیں حل
کیا ہی موقع سے لگائے ہیں گل و لالہ و سرو — جس جگہ حس کا قرینہ ہے جہاں جس کا محل
کیا ملائے ہیں درختوں نے قدم گلشن میں — گل شبّو بھی لگائے ہے کھڑا منہ سے بگل
لال کرتی کی پٹالن ہے شقائق کا ہجوم — سروِ کپتان تو شمشاد بنا ہے کرنل

قوتِ نامیہ ہے اُٹھتی جوانی ہر پل — کہ جوانانِ چمن آج ہیں کچھ اور ہیں کل
کیا عجب سرو پہ بیچو یہ گردوں ٹک جائے — کیا عجب گردشِ افلاک میں آجائے خلل
کیا عجب لوگ ہتھیلی پہ جمالیں سرسوں — کیا عجب ہاتھ کے تل سی کوئی پھوٹے کونپل
کیا عجب پیکرِ عشاق بنیں خاکِ چمن — کیا عجب دل نے جو پڑ جائیں نکل آئیں پھل
کیا عجب رشتۂ زنار سے بیلیں پھیلیں — کیا عجب دانۂ سبحہ سے اُگے نخلِ امل
کیا عجب روحِ شہیداں بھی پئے دیدِ بہار — خاک سے بیر بہوٹی کی طرح آئے نکل
کیا تعجب ہے کہ پتھر سے اُگے سبزۂ تر — کیجئے ڈال کے پانی میں جو زنگار کھرل
کیا تعجب ہے کہ شیشے کی بھی پھوٹے جو زباں — باتیں کرنے لگے طوطے کی طرح ہر بوتل
باغ میں جائیں جو گلرو نئے جوبن اُبھریں — شجرِ قد میں قدم رکھتے ہی پھوٹے کونپل
لخلخہ سونگھ کے معشوق تماشا ہوں گئے — مانگ کے بدلے نکل آئیگی شاخِ صندل
قلبہ رانی میں کشاورز یہ چلّاتے ہیں — شاخ میں گاؤ زمیں کے وہ لگا ہل کا پھل
شاخ در شاخ ہوئے گاؤ زمیں ثور فلک — قوتِ نامیہ سے کیا ہی پڑا ہے ہل چل
کھچکے سنبل یہ بڑھا کاہکشاں سے اولجھا — واہ وا زورِ نمو کیا ہی نکالا ہے بل
صورتِ گلشن شدّاد نہ اُٹھ جائے کہیں — نامیہ سے بڑے زوروں پہ ہے سارا جنگل
گھانس سی گھانس ہے اللہ غنی فیضِ نمو — چھیلتے چھیلتے مالی ہوئے جاتے ہیں شل
شام تک خاک بھی چھلجاتی ہے دو دو بالشت — صبح تک سبزہ اُبھر آتا ہے دو دو انگل
باغبانِ چمنستاں کا ہے گردوں پہ دماغ — مجھکو ڈر ہے کہیں رضواں سی نہو رد و بدل
سبزہ شمشاد سے شمشاد ہے طوبیٰ سے بلند — جائے طوبیٰ نہ کہیں عرش کے اُس پار نکل

جو یونہیں پھولتی پھلتی رہی گلشن میں بہار
جو یونہیں نامیہ کرتا رہا ہر عقدہ حل
کیا تعجب ہے جو گولر میں نکل آئے پھول
کیا تعجب ہے اگر سرو میں آجائے پھل
کیا تعجب ہے کہ پتھر میں نمو پیدا ہو
خاک سے چرخ کی جانب کو چلے بندھیاچل

چمن کا بیاہ ہے کلیوں کا ہو گیا انبار
بندھا عروس بہاری کے در پہ بندھنوار
بدل کرائی ہے مشاطۂ صبا جوڑا
سفید ابر بھی چھایا تو ہو گیا گلنار
دھڑی جمائے ہوئے سوسن اپنی ہونٹوں پہ
حنا لگائے ہوئے پنجے میں ہے دست چنار
اُگی ہوئی ہے لب نہر باغ میں کنگھی
بڑھا رہا ہے جو شمشاد طرۂ طرار
گلوں کے چہروں پہ افشاں چنی ہے شبنم نے
جو غازہ ملتی ہے رخ پر ہوائے فصل بہار
مثال سینۂ معشوق پٹریاں ہیں صاف
جو داغ بیل لگائی وہ ہو گئی زنار
بنائی مالیوں نے سرو کو تراش خراش
سکھایا موج نے ہر نہر کو نکھار سنگھار
گئی چمن سے اُدھر خواب نازنیں نرگس
اِدھر کو سبزۂ خوابیدہ ہو گیا بیدار
اُدھر ہوا سے ہوئے لکہ ہائے ابر نمو
اِدھر چمن دُمِ طاؤس بن گیا اک بار
اُدھر دھنک نے بھرا اپنی مانگ میں سیندور
اِدھر ہوا لب لالہ بھی پان سے گلنار
اُدھر جو نہر چمن کو ہوا نے لہرایا
اِدھر بھی کوند کے بجلی دکھا گئی دیدار
اُدھر قصیدے پڑھے بلبلوں نے نالوں کے
اِدھر گلوں نے نکالا طلائے دست افشار
اُدھر کھلے صدف برگ کے لب تشنہ
اِدھر بھی جھوم کر آیا سحاب گوہر بار
اُدھر چمن نے نکالی قبائے استبرق
اِدھر گلوں نے سروں پر سجی نئی دستار
اُدھر جو طرۂ شمشاد بڑھ گئے تا دوش
اِدھر لٹک گئے سنبل کے شملے تا بہ کنار
اُدھر گھٹا سے ہوئی چشمک یکاد البرق
اِدھر جھپک گئی نرگس کہ یخطف الابصار
اُدھر چلی جو چمن میں ہوائے روح افزا
اِدھر سحر کو کھلی چشم نرگس بیمار

چمن میں برگ گل تر بصورت لب یار
عجب نہیں ہے اگر کھول دیں لب گفتار
عجب نہیں ہے زباں ہو دہان غنچہ میں
عجب نہیں ہے زباں آور ہی کہے ہر خار
چٹک چٹک کے کہیں غنچے قم باذن اللہ
عجب نہیں ہے مسیحا نفس ہو باد بہار

عجب نہیں ہے جو یہ سن کے سروِ چمن نکلیں
کریں چمن میں بگولے کی طرح خود رفتار

عجب نہیں ہے کہ آئینہ آبِ حیواں ہو
عجب نہیں ہے کہ بول اُٹھے طوطیِ زنگار

عجب نہیں ہے جو پھوٹیں حباب کے بیضے
تو نکلیں نہر میں مرغابیاں قطار قطار

عجب نہیں ہے کہ بجلی ہو مرغِ آتش زن
عجب نہیں ہے کہ بادل ہو مرغِ آتشخوار

عجب نہیں گُل لالہ پڑھے جو لال کی طرح
عجب نہیں کہ ہزار سے نے نکلی صوتِ ہزار

صدائے رعد سے ملکہ ہر ایک قطرۂ آب
ہوا میں ہنس بنے ہنس سے ہو موسیقار

(قدر بلگرامی)

---

(۵)

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن
غنچہ ہے نامِ خدا نافۂ آہوئے ختن

فیض تاثیرِ ہوا سے کہ ہوا جاتا ہے
روکشِ باغِ خلیل اب کی سراپا گلخن

جملۂ انبتہ اللہ نباتاً حسناً
اندنوں فصلِ بہاری میں ہے طغرائے چمن

رشکِ شمشاد اُگا کرتے ہیں نخلِ قامت
سروِ گلزارِ زمیں پر جو ہوا سایہ فگن

خط گلزار ہوا جس نے لکھا خطِ غبار
ہو گیا کاغذِ مکتوب زمینِ گلشن

کیوں نہ پروانہ کرے شورِ فغانِ بلبل
گل ہوئی جاتی ہے اس فصل میں شمعِ روشن

خرّمی بخشی زمانے کو گیا دورِ الم
واہ کیا بادِ بہاری نے دکھایا ہے چلن

عاشقوں کو نہیں معشوق کی خواہش باقی
یاد آتے نہیں فرقت کے کبھی رنج و محن

دمِ افعی ہے سراسر تو نہیں اب نگہتِ زلف
جب سے آئے ہیں نظر سنبل و ریحانِ چمن

اب نہیں رنج سے ہے سر بگریباں کوئی
سر جھکاتے نہیں شاعر بھی پئے فکرِ سخن

کسی کاکل کے تصور میں پریشاں ہوں میں
کون سے آئینہ خیرہ ہوں ہیں حیراں ہمہ تن

کس کے آنکھوں کا ہوں بیمار اطبا نے آج
میرے تلووں سے ملا دیدۂ آہوئے ختن

آج کس کے لب و دنداں کا تصور ہے مجھے
جس سے دامن ہے مرا لعل و گہر کا معدن

آج کس صاحبِ شوکت کی میں تکتا ہوں راہ
کہ فرشتے ہیں اُٹھائے میرے در کی چلمن

رنگ و بو کس گلِ رعنا کی پسند آئی ہے
نہ مجھے خواہشِ گلشن ہے نہ پروائے چمن

یاد کرتا ہوں کفِ پائے مصفا کس کے
روندتا ہوں جو میں پاؤں سے گلوں کا خرمن

تنگ ہوں سیر گلستاں سے میں کس کے باعث — کونسا پردہ اسرار میں ہے غنچہ دہن
یاد آتی ہے مجھے کس کی شمیم اخلاق — ہے دم سرد مرا رشک نسیم گلشن

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل — برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل — جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی — ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
جانب قبلہ ہوئی ہے یورش ابر سیاہ — کہیں پھر کعبہ میں قبضہ نہ کریں لات و ہبل
دیر کا ترسا بچہ برق لئے جل میں آگ — ابر چوئی کا برہمن ہے لئے آگ میں جل
ابر پنجاب تلاطم میں ہوا اعلیٰ ناظم — برق بنگالہ ظلمت میں گورنر جنرل
نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی — پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل
دیکھئے ہوگا سری کشن کا کیونکر درشن — سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں — تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
اب کی میلا تھا ہنڈولے کا بھی گرداب بلا — نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل
ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے — نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل
تہ و بالا کئے دیتے ہیں ہوا کے جھونکے — بیڑے بھادوں کے نکلنے ہیں بھرے گنگا جل
کبھی ڈوبی کبھی اچھلی مہ نو کی کشتی — بحر اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہلچل
قمریاں کہتی ہیں طوبیٰ سے مزاج عالی — لالۂ باغ سے ہندوئے فلک کھیم کسل
شب دیجور اندھیرے میں ہے ظلمت کے نہاں — لیلیٰ محمل میں ہے ڈالے ہوئے منہ پر آنچل
شاہد کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ — چشم کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل
جوگیا بھیس کئے چرخ لگائے ہے بھبوت — یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمبل
شب کو مہتاب نظر آئے نہ دن کو خورشید — ہے یہ اندھیر چھپائے ہوئے تاثیر زحل
وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع — گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈے اسے لیکر مشعل
نور کی پتلی ہوئی پردۂ ظلمت میں نہاں — چشم خورشید جہاں بیں میں ہے آثار سبل
آتش گل کا دھواں بام فلک پر پہنچا — جم گیا منزل خورشید کی چھت میں کاجل

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے / برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل
جس طرف سے گئی بجلی پھر اُدھر آ نہ سکی / قلعۂ چرخ میں ہے بھول بھلیاں بادل
فیض ترطیب ہوا نے یہ دکھائی تاثیر / زر محلول ہے اخگر تو کھرل ہے منقل
آب آئینہ تموج سے بہا جاتا ہے / کہیئے تصویر سے گرتا نہ کہیں دیکھ سنبھل
آج یہ نشو و نما کا ہے ستارہ چمکا / شاخ میں کاہکشاں کے نکل آئی کونپل
دیکھتے دیکھتے بڑھ جاتی ہے گلشن کی بہار / دیدۂ نرگس شہلا کو نہ سمجھو احول
خضر فرماتے ہیں سنبل سے تری عمر دراز / پھول سے کہتے ہیں پھلتا رہے گلزار امل
عطر افشاں ہے شبیہ گل نسرین و سمن / نخل داؤدی مومی سے ٹپکتا ہے عسل
لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ / چرخ پر بادلا پھیلا ہے زمیں پر مخمل
جگنو پھرتے ہیں جو گلبن میں تو آتی ہے نظر / مصحفِ گل کے حواشی پہ طلائی جدول
ہمزباں وصف چمن میں ہوئے سب اہل چمن / طوطیوں کی جو ہے تضمین تو بلبل کی غزل
تخت طاؤسی گلشن پہ ہے سایہ کئے ابر / چتر کھولے ہوئے فرق شہ گل پر سنبل
جس طرف دیکھئے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں / لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل
شاخ پر پھول ہیں جنبش میں زمیں پر سنبل / سب ہوا کھاتے ہیں گلشن میں سوار اور پیدل
پھول ٹوٹے ہوئے پھرتے روشوں پر ہیں نسیم / بائسکل پر ہیں ٹہلتے ہوئے کلگوں کوتل
آہِ قمری میں رسا اور رسے میں تاثیر / سرو میں دیکھئے پھول آنے لگے پھول میں پھل
نغمے ساتھ آتے ہیں نالوں کے جگر سے نکلے / شجر آہِ رسا میں نکل آئی کونپل
شجر پیر مغاں میں نکل آئیں شاخیں / حرمت دختر رز میں نظر آتا ہے خلل
سبزۂ خط سے ہوا ہونے لگی سرخی لب / چمن حسن سے لال اُڑ گئے بن کر ہریل
صاف آمادۂ پرواز ہے شاماں کی طرح / پر لگائے ہوئے مژگان صنم سے کاجل
خندہ ہائے گل قالیں سے ہوا شور نشور / کیا عجب ہے جو پریشان ہوئی خواب مخمل
طرفہ گردش میں گرفتار عجب پھیر میں ہے / سرمہ ہے نیند مری دیدۂ بیدار کھرل
شاخ شمشاد پہ قمری سے کہو چھیڑے ملار / نونہالان گلستاں کو سنائے یہ غزل
سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل / تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل
سمت کاشی سے گیا جانب متھرا بادل / برج میں آج سری کشن ہے کالا بادل

خوب چھایا ہے سرِ گوکل و متھرا بادل
رنگ میں آج کنھیا کے ہے ڈوبا بادل

شاہدِ گل کا لئے ساتھ ہے ڈولا بادل
برق کہتی ہے مبارک تجھے سہرا بادل

سطحِ افلاک نظر آتی ہے گنگا جمنی
روپ بجلی کا سنہرا ہے روپہلا بادل

چرخ پر بجلی کی چل پھر سے نظر آتا ہے
سبزہ چمکائے ہلاتا ہوا برچھا بادل

جب تلک برج میں جنبش ہے یہ کھلنے کا نہیں
ہے قسم کھائے اٹھائے ہوئے گنگا بادل

بجلی دو چار قدم چل کے پلٹ جائے نہ کیوں
وہ اندھیرا ہے کہ چکراتا ہے بھٹکا بادل

چشمۂ مہر ہے عکسِ زرِ گل سے دریا
پرتوِ برق سے سونے کا ہے بجرا بادل

میری آنکھوں میں سماتا نہیں یہ جوش و خروش
کسی بیدرد کو دکھلائے کرشما بادل

دلِ بیتاب کی ادنیٰ سی چمک ہے بجلی
چشمِ پر آب کا ہے ایک کرشما بادل

طپشِ دل کا اڑایا ہوا نقشہ بجلی
چشمِ تر آب کا دھویا ہوا خاکا بادل

اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پر چڑھ جائے
میری آنکھوں کا اترا ہوا صدقا بادل

کچھ ہنسی کھیل نہیں کوششِ گریہ کا ضبط
یہ مرا دل ہے یہ میرا ہے کلیجا بادل

جامِ عمرِ فلکِ پیر ہوا ہے لبریز
لئے آتا ہے جنازہ دیئے کاندھا بادل

راجہ اندر ہے پری خانۂ مے کا پانی
نغمۂ نے کا سری کشن کنھیا بادل

جوش پر رحمتِ باری ہے چڑھا جمِ مے
چشمک برق سے کرتا ہے اشارا بادل

دیکھتا گر کہیں محسن کی فغان و زاری
نہ گرجتا کبھی ایسا نہ برستا بادل

پھر چلا خامۂ قصیدے کی طرف بعدِ غزل
کہ نہ ہے چکر میں سخنگو کا دماغِ مختل

باغ میں ابرِ سیہ مست چڑھا کر آیا
جامِ خورشید مع میکدۂ برجِ حمل

چشمِ میکش میں گلابی ہے کہ پھولا ہے گلاب
پھول کیوڑے کا کھلا ہے کہ کھلی ہے بوتل

جامِ بے بادہ سے کہتے ہیں کہ بند ونگو تو چھیڑ
دستِ بے جام سے کہتے ہیں ہتھیلیوں کو تو مل

گو ہر دل کو بڑی سنگدلی سے پیسا
کشتیٔ مے کو بنایا ہے سے ساقی نے کھرل

کیسی افسردگی کیا بات ہے مرجھانے کی
غنچہ کہتا ہے لچا لو سے کہ گلشن سے نکل

سب ہیں وحشت سے معروف ہے جو یا وہی ننگ
شغل میں چاک گریباں کے ہے جو ہاتھ شل

مصر والوں کو یہ ڈر ہے کہ زلیخا کے لئے
سر بازار نہ بکنے لگے سودے کا خلل

مے گلرنگ سے کیا شمع شب فکر کا پھول
چلتے چلتے جو قدم ہاتھ سے جاتا ہے نکل

کیا جنوں خیز ہے لکھنے میں صریر نئے کلک
کہ سیاہی سے ہے ہر حرف کو سودے کا خلل

ہے سخنگو کو نہ انشا کی نہ املا کی خبر
ہو گئی نظم کی انشا و خبر سب مہمل

دل میں کچھ اور ہے پر منھ سے نکلتا ہے کچھ اور
لفظ بے معنی ہیں اور معنی ہیں سب بے اٹکل

کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا
کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استھل

کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر
گھاگرا پر کبھی گذرا کبھی سوئے چنبل

چھینٹے دینے سے نہ محفوظ رہی قلزم و نیل
نہ بچا خاک اڑانے سے کوئی دشت و جبل

(محسن کاکوروی)

---

(۶)

شب گذشتہ ہجوم بلا سے تھا میں دوچار
نصیب سوتے تھے فتنے ہزاروں تھے بیدار

مہیب رات تھی ایسی کہ بس خدا کی پناہ
زبان ہر سر مو پر تھی الاماں کی پکار

مکان گور کہن فرش خاک بالش سنگ
کھڑے تھے بھاگنے کے واسطے در و دیوار

وفور کرب سے یوں کروٹیں بدلتا تھا
کہ جیسے دغدغہ میں رنگ چہرۂ بیمار

نہ لکھ سکے جو اندھیرے میں میری کیفیت
فرشتے کاندھوں سے گھبرا کے اٹھ گئے ناچار

عجب نہیں جو نہ آنکھوں کی راہ بھولے نیند
اندھیرے گھر میں غشی آ کے پھر گیا کئی بار

نمود کاہکشاں اس طرح تھی گردوں پر
کہ جیسے سنگ سیہ پر ہو چیونٹیوں کی قطار

سلائی بن گئی کاجل کی شمع جلتی ہے
عیاں چراغوں سے شعلے کے بدلے کفچہ مار

جگر سے آہ دکھاتی چلی مجھے مشعل
کبھی جو دم نے کیا کوچۂ گلو میں گذار

سیاہی شب غم دیکھ کر پھر اُلٹ
نہ پائی راہ عدم دل میں جا چھپا ناچار

اندھیرے میں نہ ملا نیند کو مقام پناہ
لرز کے مُردوں کی آنکھوں میں جا چھپی اکبار

ہر اک شرارہ بنا خال چہرۂ زنگی
چھُڑائے آہ نے ہر چند نار آتشبار

ہوا نے رکھے تھے جگنو کلاہ گردوں میں
ستارے خوف شب غم سے کر گئے تھے فرار

نہاں فلک میں ہوئی کہکشاں مع مہتاب
نکل کے اژدہے بن جا کے چھپ رہے تہ غار

امیروں کو نہ رہی لعل شب چراغ کی قدر
ہوئی تھی آتش خاموش کی طرح بیکار

ملاپ چاہتی تھی آفتاب سے خفاش　　چکور چاند سے پروانہ شمع سے بیزار
چراغ جا کے جلا لائے غول دوزخ سے　　نہ پائی آتش روشن میانِ شہر و دیار
دعائیں مانگتے پھرتے تھے صبح پیری کی　　شب شباب سے تھا ہر جوان کو انکار
اداس میکدہ افسردہ آتش تر تھی　　چراغ گور تھے پیمانۂ عقیق نگار
اندھیری گور ابوجہل کی سمجھتے تھے　　سیاہ کملیوں کو عابدانِ شب بیدار
چراغ خانۂ مفلس کی طرح ماہِ فلک　　چمک کے شام کو نکلا نہ صبح تک زنہار
وفور اشک نے روکی تھی روشنی کی راہ　　آثار دے گئے تھے صبحِ حشر دریا پار
تو زمیں بھی تھی آفتاب کی تنویر　　چراغ طالع قاروں کی طرح تھا بیکار
کلیم نے یدِ بیضا سے بند کیں آنکھیں　　گئی جو وادیِ ایمن میں ظلمت شب تار
خدا سے کعبہ ہوا طالب لباس سفید　　سیاہ رخت سے عباسیہ ہوئے بیزار
کفن میں مردوں کے کافور بن کے صبح چھپی　　نکال آئی زمانہ سے ظلمت شب تار
اندھیری رات میں یوں تھا ہجوم ابر سیاہ　　کہ جیسے اژدھے پر ہو سیاہ دیو سوار
ستارے رات کو جیسے تواہنے کو ئی　　ڈرانے کے لئے دندانِ زنگی خونخوار
زمانہ بیت حزن سے مری کشیدہ تھا　　یہ خوف تھا کہ نہ پامال ہو جسر حوّار
بلا رفیق و قلق ہمنشیں و غم مہماں　　ہزاروں آفتیں دربان و فتنہ چوکیدار
سرہانے بیٹھی ہوئی بیکسی لئے رومال　　کھڑی تھی پائنتی کو یاس جائے خدمتگار
کہیں بلند شب حزن فوج غم کا غُل　　کسی مقام میں سیلاب اشک کی تھی پکار
کہیں سے چاک گریباں کی آتی تھی آواز　　شکست شیشۂ دل کی کسی طرف جھنکار
کہیں بلند تھی تیھر بہ سینے کی فریاد　　کہیں سے آتی تھی باران تیر کی بوچھار
شہید ہوتی تھیں اک سمت حسرتیں لاکھوں　　جگر کے ٹکڑے کہیں لوٹتے تھے بسمل وار
کہیں بچھی تھی دل کشتہ کی صف ماتم　　کہیں نکلتے تھے تابوت ہائے صبر و قرار
کہیں گلے سے بغلگیر خنجر بیداد　　ہزاروں تیر کسی سمت اک جگر کے پار
کہیں کلیجہ میں تھی چھیڑ ناخن غم کی　　بڑھاتے تھے کہیں الماس ریزہ دل سے پیار
کہیں لپٹتے تھے سینہ سے نیزۂ سرکش　　کسی طرف کو رگ جاں بنی تھی نشتر زار
نیا محلہ نئی صحبتیں نئے نئے رنگ　　عجب طرح کے نئے ہمسایہ طرفہ قرب و جوار

زمانہ بھر کی بلاؤں میں مبتلا تھا میں — خفا میں جان سے تھا مجھ سے جان تھی بیزار
اِدھر تو کھینچتی تھیں سخت جانیاں دامن — اُدھر قضا میرے لیجانے کے لئے تیار

نورِ خورشید جو ہو صاعقۂ طورِ حمل — موسیِ روز کرے مصرِ دلِ شب میں عمل
مصرِ شب میں جو کرے بادشہِ روز عمل — دلِ فرعون میں بھونکے یدِ بیضا مشعل
پرتوِ مہر جو ہو شمعِ شبستانِ حمل — غازۂ صبح بنے قشقۂ ہندوئے زحل
نیم رُخ پیکرِ جوزا صفرِ شب سے ہو — دیدۂ مہر نظر آنے لگے مستقبل
خسروِ روز کرے مملکتِ شب میں دخل — ہند میں کیوں نہ کریں اہلِ فرنگ آ کے عمل
نورِ نوروز ہوا ظلمتِ شب پر غالب — آگیا اب کے مجوسوں کے عقیدوں میں خلل
چہرۂ روز ہوا غرفۂ شب سے پیدا — مہِ یوسف نظر آنے لگی لیلےٰ کی بغل
پرتوِ روز ہوا مملکتِ شب میں محیط — کعبہ پہنے ہوئے ہے پیرہنِ صبحِ ازل
جلوۂ روز صفا سے دیا پہلوئے شب — ہو چلی آئینہ سنگِ حرم میں صیقل
شبِ تیرہ کو جو آغوش میں ہے پرتوِ روز — دلِ کافر نظر آنے لگی سیمیں بگل
فصلِ گل آتے ہی مبروص ہوئی لیلیِ شب — قیس خفاش کی الفت میں نہ آجائے خلل
خود بخود نیم مسلماں ہوئے کافر اس سال — ہو گئی نصف سیاہی طوائیرِ عمل
جیسے کافور حنوطِ حبشیِ مردہ — اس طرح دن نے کیا رات کی اجزا میں عمل
جلوۂ روز سے رنگِ شبِ یلدا بدلا — اپنی تسلیم کو نوروز سے بھولا ہے زحل
باغِ عالم میں اُٹھا غلغلہ شوکتِ روز — راتتی چھپنے کو ڈھونڈے ہے گل شبو کی بغل
رخت عبا سیہ مائل بسفیدی ہو جائے — دھوئے صابونِ سحر لیکے جو آبِ جدول
گلِ رعنا کے تماشے کے لئے گلشن میں — ایک جا ہو گئیں شامِ ابد و صبحِ ازل
پردۂ ابرِ بہاری میں ہوا ہے گلشن — لے چلی دیدۂ نرگس سے چرا کر کاجل
دینِ اسلام کو بھی نشو و نما ہے اس سال — اصل سے فرع ہوئی فرع سے پیدا کوپل
سنبلستان میں نہیں لالۂ حمرا پھولا — بجلی نہیں نظر آتے ہیں سنہرے بادل
رات لیکر نہیں آتی ہے زمانے میں صبح — سیرِ امروز کی خاطر جو ہے فردائے کل
پنجۂ شانہ میں پیدا ہوئی انگشت زیاد — دیکھتا شاخِ بریدہ میں بھی پھوٹی کوپل

لالہ و گل نظر آتے ہیں بسانِ مرّیخ   سال بھر اب کی ہے دنیا میں برابر منگل
پنبۂ شیشہ کو بھی نشو و نما ہے اس سال   سرِ مینائے مے ناب ہے گویا سنبل
رات کو ناچ میں گاتے ہیں پریزادِ بہار   پنجشاخہ میں نہ نکلے کہیں تازہ کوپل
باغ سے کم امرا کے نہیں توشک خانے   سبز چونگا ہو تو کیونکر نہ ہو کاہی ململ
یوم آئندہ کے اجزا ہوئے مشتاقِ چمن   کیا عجب آج کی ساعت بنی گھڑیوں میں گل
کہیں باطل نہ ہو خونِ شہدا کا دعویٰ   زخم ہیں پھول گلستاں ہے زمین مقتل
شہسوار آتے ہیں گلگشتِ چمن کو ہر شب   باگ کے پودوں سے کس طرح نہ پھوٹے کوپل
شام کو تختۂ سوسن میں پڑا عکسِ شفق   خون میں ارزقِ شامی کی بھری تیغ اجل
اب کی ہر مصحفِ گل جامع عباسی ہے   فقہا باغ میں کر لیتے ہیں ہر مسئلہ حل
چشمِ نرگس میں جو سرمہ کی نہ دیکھی تحریر   لالہ نے سے کے چراغ آپ ہی پارا کاجل
بھیس میں لالہ و گل کے ہوئیں روحیں محشور   مردوں کے جسم ہوئے روح بنا لیتے محل
شفقِ رنگ بہاری جو حلب میں پھولے   نمد آئینہ بن جائے گلابی بادل
خبریں اب تختۂ سوسن کی اڑاتی ہے ہوا   نیل کا ماٹھ نہ بگڑے کہیں اے عز و جل
ہم بغل سبزۂ خوابیدہ سے ہو گلشن میں   خضر صحرا کو اگر خواب میں دیکھے مخمل
کوڑیالے کے کھلے پھول کہ تارے چھٹکے   صورتِ چرخِ ثوابت ہے نظر میں جنگل
کہیں سنبل کی سیاہی کہیں سوسن کی بہار   کیا عروسانِ چمن کرتے ہیں مستی کاجل
لالۂ سرخ ہے بیخِ گلِ نسریں کی شفق   چاندنی آئنۂ آبِ رواں کی صیقل
غش ہے جلادِ فلک چاندنی کے پھولوں پر   کیا عجب ہے جو کرے پیر سے بیعت منگل
سبز ہے اخگرِ منقل جو بقولِ عرفی   آگ کو ڈھونڈتے ہیں غول جلا کر مشعل
زعفرانی جو ہوا رنگِ طلا اب کی سال   طرب افزا ہے گلستاں میں سنہری جھول
خندۂ کبک سے پیدا ہے صدا نوبت کی   بس کہ کوسِ لمن الملک بجاتے ہیں جبل

خوشی بہار کی شاہ و گدا کو ہے یہ عظیم   کہ پھولی ہے شفق شال سرخ و شام گلیم
منجموں کو جو لکھنی ہے نور کی تقویم   عدم سے نکلنے کو آئی بیاض دستِ کلیم
تونگر و فقرا کی موافقت دیکھو   ہما کی چوٹی میں ملکر گندھی ہے لیفِ گلیم

بہار دیکھو گلِ اشرفی و نسریں کی — بنا ہے بوٹیوں سے تحفۂ نسخۂ زر و سیم
ریاضِ دہر میں فیضانِ رنگ و بوئے عام — سہیل کی نہیں محتاج اب عقیق ادیم
شہ و گدا ہیں بہم مثلِ سنبل و نسریں — صباحِ عید ہے زیبِ کنارِ شامِ گلیم
ہوا ہے خندۂ گل کا یہ شور دنیا میں — سنائی دیتی نہیں رعد کی بھی صوتِ عظیم
جو پوچھے اُسے کوئی حسن و قبحِ اشیا کا — نہ کہہ سکیں اُسے سمعی خرد وران فہیم
ہوا ہے دامنِ گل باغِ ہند میں اگر آئے — ستی کو آتشِ سوزاں ہو باغِ ابراہیم
رجوعِ شاخِ گلِ تر ہے یوں سوئے گلچیں — مصافحہ کرے جیسے گدا سے دستِ کریم
جُدا نہیں کہیں خوشبوئے نرگس و نسریں — جراحتِ یرقان و برص ہیں ہیں زر و سیم
رموزِ بلبل و گل سمجھے باغِ دہر میں کون — نہ بید پائے برہمن نہ رائے دابشلیم
صدائے خندۂ گل میں یہ بیخودی ہے بھری — کہ جس کے سننے سے ہرگز رہیں نہ ہوش فہیم
بنائے صور اگر شاخِ گل سے اسرافیل — تو پہلے نفخہ میں بیہوش ہوں جنابِ کلیم
ریاضِ دہر میں ہے گوشِ گل کو یہ قوت — سنائی دیتی ہے صوتِ ہزار باغِ نعیم
ہوا حلاوتِ موسم کی اس جگہ جو چلی — یقین ہے کہ ہوا ہو سقر کو فوزِ عظیم
موافقِ سخنِ صاحبِ فتوت اب — عجب نہیں ہو عذوبت فزا عذابِ الیم
سنے ہوئے ہیں اصول و فروعِ گلشنِ دہر — زمانہ کو نہیں کہہ سکتے دہر یہ بھی قدیم
چمن سے موجِ رطوبت گئی جو تا بہ فلک — اُٹھا بہشت میں طوفانِ کوثر و تسنیم
ہوا ہے مستِ گلستاں جو جائے دوزخ میں — برنگِ آتشِ حل کردہ ہو شرابِ حمیم
صفا و جوشِ رطوبت سے آبِ واحد میں — عیاں ہوں قطرۂ واحد سے لاکھ دُرِ یتیم
بدون کسر برابر سبھوں کا حصہ ہو — کرو جو اک دُرِ شبنم ہزار پر تقسیم
جو قومِ عاد میں جائے ہوائے فصلِ بہار — شمیمِ گل سے ابھی حاملہ ہو ریحِ عقیم
عدو میں بھی نہ رہا کسر کا نشان کہیں — درخت اب وہ ہے یکتا جو پیش ازیں تھا نیم
کفن جو میتِ کُہنہ کا گلابی ہو — دوا زکام کی ڈھونڈیں سو کلاں حکیم
صدائے نغمہ سرایانِ باغ سن سن کر — فلک سے اُتری ہے زہرہ بھی لینے کو تعلیم
ترانہ سنجی بلبل نے رنگ باندھا ہے — عروسِ باغ کو ہے وجد جھومتی ہے نسیم

(منیر شکوہ آبادی)

(۷)

پھر ہوا سرد چلی جھوم کے آیا بادل
چاہیے گرم صراحی سے ہو ستون کی بغل

ابر کہسار گہر ریز ہے صحرا صحرا
رقص طاؤس چمن کرتے ہیں جنگل جنگل

نکلو اے گوشہ نشینو کہ کھلے باغ کے گل
مژدہ اے بادہ کشو جھوم کے آیا بادل

بادۂ صاف کی پانی میں ہوئی کیفیت
بن گئی شیشۂ بلور صفا سے بوتل

غول کے غول چلے آتے ہیں میخواروں کے
دھن ہے گانے کی کسی کو کوئی پڑھتا ہے غزل

دختر رز نے دکھایا ہے پری کا جوبن
مست سمجھے ہیں یہ شیشے کو کہ ہے رنگ محل

شیشۂ سبز سے ساغر میں گرا بادۂ سرخ
کیا تماشا ہے کہ طوطی نے دیے لعل اگل

داد کیا سبزۂ نوخیز دکھاتا ہے بہار
باغ میں چار طرف سبز بچھا ہے مخمل

شاخ و برگ شجر باغ بلندی کے سبب
کف ارباب سخا ہیں نظر اہل دول

چین پاتے تھے جو سایہ میں درختوں کے غریب
اسی احساں کا دیا ہے انہیں اللہ نے پھل

باغ میں آکے جو ہو صرف عبادت زاہد
سبزہ ہر دانۂ تسبیح سے ہو کشت امل

آگ میں بھی یہ لطافت ہے کہ شب کو طائر
آشیاں سے نہ گریں لالہ دکھا کو مشعل

غنچۂ گل نظر آتے ہیں حباب لب جو
شاخ ہر موج سے ہر نہر میں پھوٹی کونپل

نہر صاف ایسی ہے منہ دھوئے اگر آکے کبھی
مثل خورشید چمکنے لگے رخسار زحل

جوش گل سے یہ چمن زار میں ہے جوش نشاط
آشیاں بلبل گلزار کو ہے عیش محل

پاؤں دھونے جو کبھی نہر میں امد رہی صفا
ہے یقیں مرکب شبرنگ ابھی ہو ارجل

ایسی پھولوں کی ہے کثرت کہ در گلشن سے
آشیاں تک نہیں آسکتی ہے بلبل کی اجل

بسکہ ہر شے کو رطوبت سے سہولت حاصل
خاک چھانے کوئی چھلنی میں تو ہو بادل

مست و بیہوش ہیں سب کس کی ہوئی گدڑی کا نشا
نے مغنی نہ اک بنا شیشۂ ساعت بوتل

موجزن چشمۂ حیواں ہے تہ دامن خضر
نہ یہ سبزہ نہیں جاری یہ چمن میں جدول

سبزہ آتا ہے نظر باغ میں ایسا موزوں
جس کے آگے قد محبوب کا مصرع مہمل

مصحف گل کے جو معنے اسے سمجھائے فلک
کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو ہندوئے زحل

غافلوں کو بھی دیا طالع بیدار نے اوج
خواب میں باغ جناں دیکھ رہا ہے مخمل

بطن مریم سے ہوئے حضرت عیسیٰ پیدا
شاخ گل سے یہ نہیں باغ میں پھوٹی کونپل

گر پڑے باغ میں باروت کا دانہ بھی اگر   ایک ساعت بھی نہ گذرے کہ انار آئے نکل
دم جاں بخش نسیم سحری نے کھولے   دست و پا تھے جو صنم خانے میں اصنام کی شل
اُٹھ چلے ہیں صفتِ زہرہ تعجب کیا ہے   جا کے ہوں شمس و قمر چرخ پہ عزی و ہبل
عکس آسا ہے عیاں پردہ نشینوں کا جمال   بسکہ آئینہ ہوئے ہیں در و دیوار محل
سبز ہو کر وہ زمرد ہو یہ طوطی بن جائے   ہنس اگر جائے کسی دانۂ گوھر کو نگل
جلوہ گر بزم میں ہے معجزۂ ابراہیم   پھول انگارے ہیں پھولوں کی ہے ڈالی منقل
ڈھال کے پھولوں پہ دل زخمیوں کے ملتے ہیں   دہن زخم کو دیتا ہے مزہ تیغ کا پھل
تازہ پھولوں سے سوا سینۂ عشاق کے داغ   کوچۂ چاکِ گریباں ہے چمن کی جدول
طفل مکتب بھی معلم سے پڑھا کرتے ہیں   گل کُشتی کا سبق روز گلستاں کے بدل
مُنہ سے نکلے اگر آواز بنے نغمۂ ساز   کیجئے نثر میں گفتار تو موزوں ہو غزل
کشت زاروں میں وہ سبزہ نظر آتا ہے ہرا   چشم بینا ہو تو ہے کان زمرد جنگل

عروس باغ نے پائی ہے دولتِ بیدار   حنائے پنجۂ گل ہے طلائے دست افشار
شرابِ حسن سے ہیں مست شاہدانِ چمن   درخت جھوم رہے ہیں کھڑے قطار قطار
یہ جرمِ خاک میں بالیدگی ہے ان روزوں   کہ بے مشقت مزدور اُٹھ گئی دیوار
لکھا طبیب ہوا نے وہ نسخۂ تبرید   کہ جس کے پیتے ہی اُتری تپ درونِ چنار
غریب کرتے ہیں بریاں جو دانۂ گندم   تو کھل کے ہوتے ہیں سب رشکِ دانۂ انار
وضو کا حکم نہ کس طرح ہو تیمم کو   کہ موج آب ہے اُٹھتا ہے خاک سے جو غبار
کماں سے اوجِ ہوا پر چلے کسی کا جو تیر   تو کھل کے غنچۂ پیکاں بنے گل سوفار
یہ اُڑ چلا ہے گل جعفری کمر کہتا ہے   چمن میں ہیں ہوں کہ جنت میں جعفر طیار
بہار میں بھی تماشا شب برات کا ہے   انار پھول رہے ہیں کہ چھوٹتے ہیں انار
نہیں لطافت آب و ہوا سے جائے عجب   جو عطر آب گل کاغذ سے کھینچ لیں عطار
ہوا میں آب حنا بستہ ہو گئی ریش سفید   کہے یہ شیخ سے کوئی خضاب ہے بیکار
ہوائے موسم گل بسکہ ہے نشاط افزا   عجب نہیں جو کرے رقص صورت دیوار
ہر ایک میوۂ شیریں پہ طوطیوں کا ہجوم   مثل یہ ٹھیک ہوئی یک انار صد بیمار

ہوا بدل گئی صحت ہوئی مریضوں کو
وہ بے بصر ہے جو نرگس کو اب کہے بیمار

فقط گلوں میں عقیق یمن کا رنگ نہیں
کہ داغ لالہ سے آتی ہے بوئے مشک تتار

چمن کا بول رہا ہے یہ آج کل طوطی
کہ آئینہ میں زمرد ہے سبزۂ زنگار

لگا خزاں سے جو مضمون باندھنے شاعر
بغیر قصد دکھایا سخن نے رنگ بہار

وہ کون سر ہے نہیں جس پہ پھول صورت شاخ
لگا ہے فیض نموئی علاقۂ دستار

یقیں ہے نخل سے حنظل کے ہوں رطب پیدا
درخت سیب اُگے بو دیئے جو تخم کنار

یہ نقد نامیہ ارزاں ہے باغ عالم میں
کریں شمار جو زر وار درہم و دینار

گنیں جو دس ابھی دینار دس ہی سو ہو جائیں
شمار سو کو نہ پہنچے درم ہوں سو سے ہزار

کسی مکان میں نقاش کی ہوئی جو طلب
قلم اٹھانے نہ پایا وہ بہر نقش و نگار

کہ اس میں موج ہوا سے شگفتہ ہو گئے گل
برنگ باغ منقش ہوئے در و دیوار

چمن میں آکے زن حاملہ اگر کوئی
سحر کو کھائے گھڑی دو گھڑی ہوائے بہار

یقیں ہے جب متولد ہو طفل دنیا میں
کرے مسیح کی مانند دفعۃً گفتار

(اسیر لکھنوی)

نظم جدید

شہر آشوب

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جواں ہے (۱) دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں زباں ہے
میں حضرت سودا کو سنا بولتے یارو اللہ رے اللہ ہی کیا نظم بیاں ہے
اتنا میں کیا عرض کہ فرمائیے حضرت آرام سے کٹنے کی طرح کوئی بھی یاں ہے
سن کے یہ لگے کہنے کہ خاموش ہی رہ جا اس امر میں قاصر تو فرشتے کی زباں ہے

کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانہ کی ہے مشکل
سب ہے وجہ معاش اپنی سو جس کا یہ بیاں ہے

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشاں ہے
گزرے ہے سدا یوں علف و دانہ کی خاطر شمشیر جو گھر میں تو سپر بنئے کے یاں ہے
ثابت ہو جو دگلا تو نہیں موزوں میں کچھ حال تیروں میں ہے پرگیری تو بے چلہ کماں ہے
کہتا ہے نفر غزہ کو صراف سے جا کر بی بی نے تو کچھ کھایا ہے فاقہ سے میاں ہے
یہ سن کے دیا کچھ تو ہوئی عید وگرنہ شوال بھی پھر ماہ مبارک رمضاں ہے
اس رنج سے جب چڑھ گئی چھتیس مہینے تنخواہ کا پھر بٹنا اسی شکل سے یاں ہے
لیتے ہیں یہ اس رو سے ہی وہ تو دو ماہہ ٹک وصونس و ہر کے کی جنہیں کچھ تاب و تواں ہے
اور وہ جو ہیں کمزور وہاں آن کے بیٹھیں رہتی کے جو آگے کی یہ ہر ایک دکاں ہے

اٹھ اٹھ کے دکھاتے ہیں انہیں حال وہ اپنا
دربار روا اس عہد میں جو خرد و کلاں ہے

صیغہ پہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر سو دو سو روپیہ کا جو کسی عمدہ کے یاں ہے
صحبت ہی یہ اس سے گر آقا کے تئیں چھینک آوے تو وہ اس کو بخشونت نگراں ہے
اور ماحضر اوپر جو وہ نواب کو دیکھے کھانا تو یہ کھاتے ہیں پر اس کو خفقاں ہے
مطبخ میں ہی خربزہ اور آخر پزہ پر ہے دودھ ہے دودھ پہ مچھلی تس اوپر گاؤ زباں ہے
یہ بھی تو نہیں ہے کہ اسی سے ہو تسلی اس سب پہ تفنن کے لیے بینی ناں ہے
اس میں جو کہیں درد اٹھا پیٹ میں ان کے پھر تو علی سینا ہے تو واں ہیچداں ہے

رکھتے ہیں غرض مرگ سے لڑنے کو سپاہی
گر نوکری سمجھو یہ طبابت کی کہاں ہے

سوداگری کیجے تو ہے اس میں یہ مشقت   دکھن میں بکے وہ جو خرید صفہاں ہے
ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجیے منزل   ہر سال بدال وسوسۂ سود و زیاں ہے
بے جا جو کسی عمدہ کی سرکار میں دی جنس   یہ درد جو سنئے تو عجب طرفہ بیاں ہے
قیمت جو چکاتے ہیں فلاں طرح کہ ثالث   سمجھے ہی فروشندہ پہ دزدی کا گماں ہے
جب مول مشخص ہو امر ضی کے موافق   پھر پیسوں کا جاگیر کے عامل پہ نشاں ہے
پروانہ لکھا کر گئے عامل کنے جس وقت   کہتا ہے وہ پیسہ ابھی مجھ پاس کہاں ہے
ادھر جو پھر آئے تو کہا جنس ہی لے جا   دیوان بیوتات یہ کہتے ہیں گراں ہے
آخر کو جو دیکھو تو نہ پیسے ہیں نہ وہ جنس   ہر اک متصدی سے میاں اورتیاں ہے

ناچار ہو پھر جمع ہوئے قلعہ کے آگے
جو پالکی نکلے ہے تو فریاد و فغاں ہے

گر خان و خوانین کی لے کوئی وکالت   اسکا تو بیاں کیا کروں تجھ ہی کہ عیاں ہے
ہر عمدے کے دروازہ پہ زیں پوش پہ بیٹھا   پوچھے ہے اجی مرد ہی جی نواب کہاں ہے
دیوان کے بخشی کے بیوتات کے حاضر   مانند کنھیا کے جہاں دیکھو تہاں ہے

ہر بات پلٹتا ہی رہے صبح سے تا شام
پیتل کے پتوے کی طرح منہ میں زباں ہے

شاعر جو سنے جاتے ہیں مستغنی الاحوال   دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو یاں ہے
مشتاق ملاقات انہوں کا کس و ناکس   ملنا انہیں ان سے جو فلاں ابن فلاں ہے
گر عید کا مسجد میں پڑھے جا کے دوگانہ   نیت قطعۂ تہنیت خان زماں ہے
تاریخ تولد کی رہے آٹھ پہر فکر   گر رحم میں بیگم کے سُنے نطفۂ خاں ہے

اسقاط حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا
پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے

ملائی اگر کیجیے ملا کی ہے یہ قدر   ہوں دو روپیہ اس کے جو کوئی مرثیہ خواں ہے
اور ماحضر اخوند کا اب کیا میں بتاؤں   یک کاسہ دال عدس اجو کی دو نان ہے

دن کو تو بچارا وہ پڑھایا کئے لڑکے — شب خرچ لکھے گھر کا اگر سندسہ داں ہے
تس پر یہ ستم ہے کہ نہالی تلے اُن کے — لڑکوں کی شرارت سے سدا خار نہاں ہے
بھاگے یہ عمل کر جو وہ شیطان کا لشکر — دیوال کو لے ہاتھ تعاقب میں رواں ہے

اب کیجئے انصاف کہ جس کی ہو یہ اوقات
آرام جو چاہے وہ کرے وقت کہاں ہے

جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں تب سے — ہر صفحۂ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ہے
وہ بیت کہ ٹکے سیکڑے لکھنے کو ہے موجود — خوبی میں خطاب جسکا بہ از خطِ بتاں ہے
یہ بھی میں تکلف ہی سے کہتا ہوں وگرنہ — آفاق میں ان چیزوں کی اب قدر کہاں ہے

دمڑی کو کتابت لکھیں دھیلے کا قبالہ
بیٹھے ہوئے وہاں میر علی چوک جہاں ہے

آرام سے کٹنے کا سُنا تو نے کچھ احوال — جمعیتِ خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے
دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام — عقبیٰ میں یہ کہتا ہے کوئی اسکا نشاں ہے
سو اس کا تیقن کسی کے دل کو نہیں ہے — یہ بات بھی گوئندہ ہی کا محض گماں ہے

یاں فکرِ معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست نہ یاں ہے نہ وہاں ہے

(سوداؔ)

ہولی

(۲)

آ جھمکے عیش و طرب کیا کیا جب حُسن دکھایا ہولی نے
ہر آن خوشی کی دھوم ہوئی یوں لطف جتایا ہولی نے
ہر خاطر کو خورسند کیا ہر دل کو لُبھایا ہولی نے
دفِ رنگیں نقش سنہری کا جس وقت بجایا ہولی نے
بازار گلی اور کوچوں میں غل شور مچایا ہولی نے
کچھ طبلے کھٹکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی

کچھ چھڑ بیں ہیں ربابوں کی، کچھ سارنگی اور چنگ بھی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈھمڈھی اور منہ چنگ بھی
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بھی
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

ہر جاگہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گلکاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے
ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
منہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے
یہ روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ دکھایا ہولی نے

پوشاکیں چھڑکی رنگوں کی اور ہر دم رنگ فشانی ہے
ہر وقت خوشی کی جھمکیں ہیں پچکاری کی رخشانی ہے
کہیں ہوتی ہے دھینگا مشتی کہیں ٹھیری کھینچا تانی ہے
کہیں لٹیاں جھمکیں رنگ بھری کہیں جوتا کیچڑ پانی ہے
ہر چار طرف خوش حالی کا یہ جوش بڑھایا ہولی نے

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار گلالوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ آگ اور رنگ جھمکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں
کچھ کودیں ہیں کچھ اچھلیں ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں
یہ طور یہ نقشہ عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

ہیں کیا کیا سر میں رنگ بھرے اور سوانگ بھی کیا کیا آتے ہیں
کر باتیں ہر دم چہل بھری خوش ہنستے اور ہنسلاتے ہیں
کچھ جوگی چیلے بیٹھے ہیں کچھ کامینوں کے گاتے ہیں
کچھ اور طرح کے سوانگ بنیں کچھ ناچتے اور کچھ گاتے ہیں
ہر آن نظیر اس فرحت کا سامان دکھایا ہولی نے

برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں　　سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاہٹ قطرات کی بہاریں　　ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت لگاویں　　جھینگر جھنگار اپنی سرنائیاں بجاویں
کر شور مور بگلے جھڑیوں کا مینہ بلاویں　　پی پی کریں پپیہے مینڈک ملار گاویں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزہ ہرے بچھونے　　قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگل میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے　　بچھوا دیئے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ کچھ ابر کی سیاہی　　اور چھا رہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بہ ماہی　　یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہیں یارب سامان تیری قدرت　　بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت　　تیتر پکارتے ہیں "سبحان تیری قدرت"
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بولیں بئے بٹیریں قمری پکارے کوکو　　پی پی کرے پپیہا بگلے پکاریں تو تو
کیا ہدہدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو　　سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو مست ہوں ادھر کے کر شور ناچتے ہیں　　پیارے کا نام لے کر کیا زور ناچتے ہیں
بادل ہوا سے گھر گھر گھنگھور ناچتے ہیں　　مینڈک اچھل رہے ہیں اور مور ناچتے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

نظیر

چکنی ڈلی

(۳)

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

مہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے
حرزِ بازوئے شگرفانِ خود آرا کہیے

مسی آلود سرِ انگشتِ حسیناں لکھیے
داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے

خاتمِ دستِ سلیماں کے مشابہ لکھیے
سرِ پستانِ پری زاد سے مانا کہیے

اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خالِ مشکینِ رخِ دلکشِ لیلیٰ کہیے

حجر الاسود دیوارِ حرم کیجے فرض
نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہیے

وضع میں اسکو سمجھ لیجے قافِ تریاق
رنگ میں سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہیے

صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مہرِ نماز
میکدے میں اسے خشتِ خمِ صہبا کہیے

کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے
کیوں اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کہیے

کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجے
کیوں اسے مردمکِ دیدۂ عنقا کہیے

کیوں اسے تکمۂ پیراہنِ لیلیٰ کہیے
کیوں اسے نقشِ پئے ناقۂ سلمیٰ کہیے

بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجیے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

غالب

شام کی آمد اور رات کی کیفیت

(۴)

اے آفتاب صبح سے نکلا ہوا ہے تو
عالم کے کاروبار میں دن بھر پھرا ہے تو

ہیں روز و شب زمانہ کے پیہم قدم ترے
پیمانے محنتوں کے ہیں بیش و کم ترے

کلفت سے دن کی ہو گیا منہ تیرا زرد ہے
اور ڈالی اس پہ شام نے غربت کی گرد ہے

ہو ناز نانہ بس کہ ہے وابستہ شام سے
اور تو بھی ہے تھکا ہوا دنیا کے کام سے

دامانِ کوہسار میں اب جا کے سو رہو
دن بھر کا کام شام کو سمجھا کے سو رہو

آ اے شبِ سیاہ کہ لیلائے شب ہے تو — عالم میں شاہزادیٔ مشکیں نسب ہے تو
ہونا وہ بعدِ شام شفق میں عیاں ترا — اُڑنا وہ آبنوس کا تختِ رواں ترا
تھا دن مگر رہا وہی عالم نگاہ میں — لہرایا پرنیان و حریرِ سیاہ میں
چمکے گا لشکر اب جو ترا آسمان پر — فرماں نشان میں یہ اڑے گا جہان پر

تا صبح ہووے کارگہِ روزگار بند
آرام حکمِ عام ہوا اور کار و بار بند

عالم پہ تو جو آتی ہے رنگ اپنا بھرتی — ہاتھوں سے مشک اڑاتی ہے عنبر بکھرتی
دنیا پہ سلطنت کا تری دیکھ کر حشم — کھاتا ہے دن بھی تاروں بھری رات کی قسم
روئے زمیں پہ جل رہے تیرے چراغ ہیں — اور آسماں پہ کھلتے ستاروں کے باغ ہیں
بجلی ہنسے تو رُخ ترا دنیا بہار ہے — شبنم کو موتیوں کا دیا تو نے ہار ہے

سب تجھ کو لیتے آنکھوں پہ ہیں بلکہ جان پر
پورا ہے تیرا حکم پر آدھے جہان پر

چھائی غرض خدا کی خدائی میں رات ہے — اس وقت یا تو رات ہے یا حق کی ذات ہے
خلقت خدا کی سوتی ہے غافل پڑی ہوئی — اور رات سائیں سائیں ہے کرتی کھڑی ہوئی
سوتا گدا ہے خاک پر اور شاہ تخت پر — ماہی ہے زیرِ آب ہے طائر درخت پر
ہے بے خبر پڑا جو بچھونوں پہ گھر میں ہے — دامانِ دشت پر کوئی سوتا سفر میں ہے
گھوڑے پہ اپنے اونگھ گیا ہے سوار بھی — چوکا ہے بلکہ راہ زنِ نابکار بھی
القصہ ہے امیر کوئی یا فقیر ہے — عورت ہے یا کہ مرد جواں ہے کہ پیر ہے
بچہ کہ ماں کی گود میں ہے یا کہ پیٹ میں — سب آ گئے ہیں نیند کی اس دم لپیٹ میں

جس کو پکارو وہ سوئے خوابِ عدم گیا
دریا بھی اب تو چلنے سے شاید ہی تھم گیا

وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پر — بیٹھا تھا جس کا سکہ زمین آسمان پر
کھولے ہوئے شفق کا نشانِ زرق برق ہے — رکھ کر کرن کا تاج نکلتا ہے شرق سے

اس کے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہے — سکہ ہے اب ستاروں کا اور تیرا نام ہے

محنت ثمر تھا اس کا راحت ہے پھل ترا
چاندی تھا اس کا حکم تو سونا عمل ترا

مزدور جا بجا تھے جو دکھ درد پا رہے — اور پاؤں تک سروں سے پسینے بہا رہے
بار گراں غریبوں نے سر پر اٹھائے ہیں — جب چار پیسے شام کو لے گھر میں آئے ہیں

اُنے شب تمام دن کی مصیبت سہ مار کے
تیرے عمل میں پاؤں ہیں سوئے پسار کے

اکثر امیر لیٹے ہیں نعمت کے ناز میں — پر دل کو ان کے دیکھو تو ہے سوز و ساز میں
سامانِ عیش سب ہیں مہیا کئے ہوئے — جو مانگئے زمانہ ہے حاضر لئے ہوئے

مخمل کا فرش ہے مگر آرام ہی نہیں
جھپکے پلک سو اس کا کہیں نام ہی نہیں

اور ان کے زیر سایہ پڑا اک غریب ہے — دن بھر اٹھاتا بوجھ وہ آفت نصیب ہے
تھا صبحدم کا نکلا ہوا گھر سے کام کو — وہ حق حلال کر کے گھر آیا ہے شام کو
اب اپنی نانِ خشک کو پانی میں چور کر — کھایا ہے اور مست پڑا ہے تنور پر

سر پر قیامت آئے تو اس کی خبر نہیں
سونا تو آنکھ میں ہے مگر پاس زر نہیں

یہ بھی نہ کہنا تم کہ جو آرام عام ہے — وہ سب لوں کے واسطے غفلت کا جام ہے
بندے خدا کے ایسے یہاں بے شمار ہیں — دن سے زیادہ رات کو مصروف کار ہیں
کیجئے ذرا خیال کہ ملائے نکتہ داں — بیٹھا ہے سر جھکائے بپائے چراغداں
کرتا نظر ہے متن پہ بھی حاشیہ پہ بھی — مضمون جو ہدگر ہیں الجھتے کبھی کبھی

بیٹھا حرام کر کے ہے آرام و خواب کو
کیڑے کی طرح لگ گیا ظالم کتاب کو

ہیں مدرسہ کے طالب علم اپنے حال میں — کل صبح امتحان ہی سو اس کے خیال میں
مل مل کے یاد کرتے ہیں آپس میں دور سے — پڑھتے جدا جدا بھی ہیں کچھ فکر و غور سے
کریں جو کچھ کہ کرنا ہے شب درمیان ہے — کل صبح اپنی جان ہے اور امتحان ہے

جی چھوڑ بیٹھے مرد یہ ہمت سے دُور ہے
قسمت تو ہر طرح ہی پہ محنت ضرور ہے

اور وہ جو لکھ پتی ہی مہاجن جہان میں
آدھی بجی ہے پر وہ ابھی ہے دکان میں
گنتی میں دام دام کے ہر دم دیئے ہوئے
بیٹھا ہی گود میں بہی کھاتا لئے ہوئے
ہے سارے لین دین کی میزان تمام کی
لیکن غضب ہی بدھ نہیں ملتی چھدام کی

اور دیکھنا نجومیِ دانا کی شان کو
ہی کس نظر سے دیکھ رہا آسمان کو
اک آنکھ دوربیں پہ ہی اک کتاب پر
ہی محو اپنے زائچہ میں اک حساب پر
کٹتی ہی اس کی تاری ہی گنتے تمام رات
پر اب تو فکر ہے یہی دن بھر تمام رات
اک جنتری بناؤں کہ طرز جدید ہو
چمکے جو اس میں اپنا ستارہ تو عید ہو

اے رات تیرے پردۂ دامن کی اوٹ میں
دزدِ سیاہ کار بھی ہے اپنی چوٹ میں
بیٹھا نقب لگا کے کسی کے مکاں میں ہے
اور ہاتھ ڈال سکی ہر اک ین و آن میں ہے
اسباب سب اندھیرے میں گھر کا ٹٹول کر
ہی چپکے چپکے دیکھ رہا کھول کھول کر
لے جائیگا غرض کہ جو کچھ ہاتھ آئے گا
دیکھو کمایا کس نے ہی اور کون اڑائے گا

اِس تیرہ شب کے پردہ میں شاعر جو چور ہے
پھرتا ٹٹولتا ہُوا مانند کور ہے
مطلب اڑاتا شعر سے مضمون غزل سے ہی
لاتا پر ایسے ڈھب سے لفافہ بدل کے ہے
تعریفیں اسکی کرتے ہیں جو شعر سنتے ہیں
مضمون گیا ہے جن کا وہ سر بیٹھے دھنتے ہیں

عالم ہی اپنے بستر راحت پہ خواب میں
آزاد سر جھکائے خدا کی جناب میں
پھیلائے ہاتھ صورتِ امیدوار ہے
اور کرتا صدق دل سے دعا بار بار ہے
مجھ کو ملک سے ہے نہ ہے مال سے غرض
رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض
یا رب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں پہ کہ دل میں اثر کرے

اے رات یہ جو تو نے سرِ شام آن کر — سجادۂ سیاہ بچھایا ہے تان کر
اور اس پہ حق پرست کہ یادِ خدا میں ہے — بیٹھا رہِ فنا پہ ہوائے بقا میں ہے
اس کو اسی کی ذات سے ہے لو لگی ہوئی — اور دل میں دم بدم ہے تگ و دو لگی ہوئی

کب تک رہے حباب گلا گھونٹ گھونٹ کر
اپنی ہوا میں ایک ہو پھر لوٹ پھوٹ کر

دریا میں چل رہا کہیں اس دم جہاز ہے — اہلِ جہاز جن کا خدا کارساز ہے
بیٹھے اسی کی آس پہ ہیں دل دیئے ہوئے — کچھ حسرتیں ہیں دل میں کچھ ارماں لئے ہوئے
بادِ مراد دیتی ہوائے مراد ہے — پر دل کو بھولتی نہیں طوفاں کی یاد ہے
آنکھیں سبھوں کی لگ رہی ہیں بادبان پر — اور جاتی ہے دعا کی صدا آسمان پر

یہ سب کے سب ہیں بیٹھے ہوا کی امید پر
اے ناخدا تو رہیو خدا کی امید پر

دل دے رہا جو شیرِ محبت کے جام ہے — ماں دیکھو اپنی نیند کو کرتی حرام ہے
ہر چند کام کاج سے ہی دن کے تھک رہی — بچے کو ہاتھ سے ہی برابر تھپک رہی
اور کہتی ہے کہ مجھ کو پڑے سو یا نہ کل پڑے — ایسا نہ ہو کہ یہ کہیں ڈر کر اچھل پڑے

ماں کو تو سوتے جاگتے اسکا دھیان ہے
کروٹ نہیں بدلتی کہ ننھی سی جان ہے

پر جائے حیف حال اسی جاں بلب کا ہے — سب جس کو کہہ رہے ہیں کہ مہمان شب کا ہے
دن بھر دوا غذا میں رہا غیر حال ہے — لیکن ہے اب یہ حال کہ بچنا محال ہے
بتی چراغِ عمر کی ہے جھلملا رہی — اور بیکسی سرہانے ہے آنسو بہا رہی
اے رات مجھ کو فکر یہی بار بار ہے — اس کی تو زندگی کوئی دم کا شمار ہے

کون اس کا ساتھ دیویگا ہو صبح جب تلک
روئے گا کوئی شام کے مردے کو کب تلک

آزاد آفریں ترے لطفِ زبان کو — ہر کروٹ اب ہے رات نئی دی آسمان کو
سب اپنے اپنے کام میں ہیں دل دئے ہوئے — تو کیوں ہے بیٹھا بادۂ غفلت پئے ہوئے
کوئی گھڑی تو ہوش و خرد سے بھی کام لے — وقتِ سحر قریب ہے اللہ کا نام لے (آزاد)

نظم

(۵)

سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم — بحمد اللہ بھائی مسلماں ہیں ہم تم
مسلمان سب ہم دم و ہم قدم ہیں — ہمیں میں کے تم ہو ہمیں میں کے ہم ہیں
خدا ور رسولِ خدا ایک سب کا — نہیں فرق یاں کچھ عجم اور عرب کا
وہ ختم الرسل وہ خدا دانِ اُمّی — بمالی و آلی بنفسی و اُمّی
اُسی دین کی کرتے سیوا ہیں ہم بھی — اُسی شخص کے نام لیوا ہیں ہم بھی
ہمارا تمہارا ہے قرآن واحد — ہے اسلام واحد خدا اور ایمان واحد
وہ مکّے کا گھر قبلہ مشترک ہے — بھلا ایک ہونے میں کچھ اب بھی شک ہے
ہمیں اجنبی نیچری خیر سمجھو — ولیکن غضب ہے اگر غیر سمجھو

اخوّت پہ موقوف ہیں کام سارے
ہم آئے ہیں تم تک اسی کے سہارے

مسلمانوں کی جیسی حالت ہے ابتر — لکھے جا چکے اُسکے دفتر کے دفتر
نہ محتاج اظہار و ذکر و بیاں ہے — کہ جو کچھ حقیقت ہے سب پر عیاں ہے
ذرا دیکھئے کیا سے کیا ہو گئے ہم — سبب کیا؟ کہ باہم جُدا ہو گئے ہم
سمجھتے بھی ہو کچھ کہ کیا ہے اُخوّت — یہی ہے یہی ہے یہی اصل قوّت
یہ بامِ ترقی پہ اُڑنے کا پر ہے — یہی فوج و لشکر یہی زور و زر ہے
یہی قوم کی جان روح و رواں ہے — یہی جسمِ قومی کی تاب و تواں ہے

الٰہی ہمیں بھی اُخوّت عطا کر
دکھا اپنی قدرت سے مُردے جِلا کر

یہ جی چاہتا ہے کہ کالج ہمارا — ہو تعلیم کا اک چمکتا ستارا
نہ اس کی سی اعلیٰ عمارت کہیں ہو — جو کالج کی خوبی ہے وہ سب یہیں ہو
پروفیسر اس کے گرجتے برستے — اگر ڈبل پے پر بھی مل جائیں سستے
ہر اک فن میں ہو ان کو کامل بصیرت — ہوں انگریز لیکن مسلمان سیرت
ہر اک بورڈر پاس ایسا مکاں ہو — کہ آسائشِ جسم و آرامِ جاں ہو

ہماری غرض اور غایت یہی ہے
ہمارے سفر کی نہایت یہی ہے

دکھائیں گے گر پا گئے مال و زر ہم
اُڑینگے۔ نکالیں گے جب بال و پر ہم

ہو کالج میں یہ امرِ بالشان مہتم
کہ تعلیم پر تربیت ہو مقدم

سٹوڈنٹس پر ایسی حاوی نظر ہو
کہ گر خواب دیکھیں تو سب کو خبر ہو

ڈِسپلن بھی اور ضبط اوقات سیکھیں
شریفانہ طرزِ مدارات سیکھیں

ہو عنوان خط جو لفافے سے ظاہر
طبیعت کی نیکی قیافے سے ظاہر

ہو قومی محبت دلوں میں سمائی
وہ اسلام کے نام پر ہوں فدائی

نمونے ہوں شاگرد و استاد دونوں
تو پھر دین و دنیا ہوں آباد دونوں

سٹوڈنٹس تیغ دو دم ہو کے نکلیں
سپاہی اور اہلِ قلم ہو کے نکلیں

نہ محنت مشقت سے جانیں چُرائیں
نِکل جائیں کوسوں جو چلنے پر آئیں۔

ہر اک بات میں اُن کی کردار مردی
نزاکت ہو ان کے لئے عار مردی

یہ کالج ہے جیسا کہ ہم چاہتے ہیں
کچھ اب سمجھی کیوں ہم رقم چاہتے ہیں

اگر پُل ہے یا باغ ہے یا کنواں ہے
کوئی کام دنیا میں بے زر ہوا ہے

تو کیوں کر یہ اتنا بڑا کارخانہ
کہ کھپ جائے قاروں کا اسمیں خزانہ

سو ایسے ہی کالج کی تدبیریں ہیں
اٹھائیں گے نخرے جو تقدیریں ہیں

بُرا بھی سُنیں گے کڑی بھی سہیں گے
یہ کالج تو ہم بھی بنا کر رہیں گے

تمہاری سی قسمت ہمیں بھی خدا دے
کہ اے قوم اور سید احمد دعا دے

کہاں یہ مقدر نصیب ایسے کس کے
کہ اکسیر مہماں ہو گھر میں مِس کے

مگر تجھ پہ پنجاب فضلِ خُدا ہے
کہ نازل تیرے سر پہ قومی ہُما ہے

ہوئی ہے کسی کو بھی یہ بات حاصل
لگا دے لہو اور شہیدوں میں داخل

عمارت میں کیا ہے بس اک اینٹ باقی
پلاتے تو ہو دُرد بنتے ہو ساقی

اگر بے دئے ہم کو دے دو گی دھکے
تو فریاد لے جائینگے ہم بھی مکّے

رسُولِ خدا سے شکایت کرینگے
نہ ہم پھر کسی کی رعایت کرینگے

نہیں تم ہماری طبیعت سے آگاہ
ہم۔ اور بے لئے جائیں استغفراللہ

ہم اِک اک سے اور اُسکی اچھی سے لینگے
بُرے دل سے دے یا کہ اچھی سی لینگے

نہ کیوں لیں کہ تعلیم کے پیشوا ہیں　　امینانِ کالج ہیں قومی گدا ہیں
ازانجا کہ کالج کے ہم ہیں ٹرسٹی　　ضرور آپڑی ہے ہمیں سرپرستی
ہم اپنے اُدھارے ولی مانگتے ہیں　　کہ تم سے تمہارے لئے مانگتے ہیں

بڑی گفت گو اور بہت بات ہولی
تو بھر دیجئے اب فقیروں کی جھولی

ڈپٹی نذیر احمد

دہلی کی آخری دھوم

اے جہاں آباد اے اسلام کے دار العلوم (۲۱)　　اے کہ تھی علم و ہنر کی تیرے اک عالم میں دھوم
تھے ہنر ور تجھ میں اتنے جتنے گردوں پر نجوم　　تھا افاضہ تیرا جاری ہند سے تا شام و روم

زیب دیتا تھا لقب تجھ کو جہاں آباد کا
نام روشن تجھ سے تھا غرناطہ و بغداد کا

تیری طینت میں ودیعت تھا مذاقِ علم دیں　　جیسے اُمّی تجھ میں تھی عالم نہ تھے ایسے کہیں
ہند میں جو تھا محدث وہ ترا تھا خوشہ چیں　　تھی محدث خیز اے پایتخت تیری سرزمیں

تھا تفقہ بھی مسلّم تیری خاکِ پاک کا
بیہقیِ وقت تھا ایک اک فقیہہ اس خاک کا

شاذ و نادر تھا تصوف میں کوئی تیرا نظیر　　آب و گل کا تیری تھا گویا تصوف سے خمیر
تیری کھنڈروں میں پڑے سوتے ہیں وہ مہرِ منیر　　تھا کبھی انوار سے جن کے زمانہ مستنیر

آج جس دولت کا بازار جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اس دولت سے مالا مال ہے

طب میں گو یونانیوں کا سب سے آگے تھا قدم　　آن کر اُس نے لیا تھا دوسرا تجھ میں جنم
جب کہ تو آباد تھا دنیا میں اے باغِ ارم　　بھرتے تھے تیرے اطبا بھی مسیحائی کا دم

ہند میں جاری تجھی سے طبِ یونانی ہوئی
شہر شہر اس جنس کی یاں تجھ سے ارزانی ہوئی

خاک سے اُٹھے ہیں تیری جیسے جیسے نکتہ ور　　اک جہاں شیوہ بیانی سے ہے ان کی باخبر

راس تھی آب و ہوا تیرے سخن کو جس قدر　　سرو کو ہوگی نہ راس اتنی ہوائے غاتفر
حُسنِ صورت میں اگر ضرب المثل نوشاد تھا
حُسنِ معنی تیرا حصّہ اے جہاں آباد تھا

لے کے ساتھ اسلام نکلا تھا عرب سے جو علوم　　جن میں تھی اسلامیوں کی چار سو عالم میں دھوم
دولت و اقبال کا جب تک رہا تجھ پر ہجوم　　کھیتیوں پر تیری تھا ابر آتے تھے ان کے جھوم جھوم
آئی گلشن میں نہ تیرے بھول کر فصلِ خزاں
تیری سرحد میں رہا ہے علم و دانش کا سماں

جس طرح تھا فضل و دانش میں ترا مشہور نام　　تھے تمدن میں بھی پیرو تیرے جمہورِ انام
آدمیت سیکھنے آتے تھے تجھ سے خاص و عام　　شہری و بدوی تری تقلید کرتے تھے مدام
رسم میں آئین میں اوضاع میں اطوار میں
طرز میں انداز میں رفتار میں گفتار میں

رہ گیا باہر سے آکر جو کہ تجھ میں چند سال　　ڈھل گئے سانچے میں گویا اسکے عادات و خصال
آکے بن جاتا تھا یہاں نقصان انساں کا کمال　　تیرے پرچھاویں سے موتی بنکے جاتے تھے سفال
آتے ہی انسان کی کایا پلٹ جاتی تھی یاں
چار دن میں اور ہی صورت نکل آتی تھی یاں

تیرا معمورہ تھا اک عالم کا مرجع اور مآب　　آن کر لیتے تھے یاں ٹھیکے جہاں کے انتخاب
بستے تھے اطراف سے آآکے تجھ میں شیخ و شاب　　کردیا تھا تیری آبادی نے ملکوں کو خراب
جمگھٹا تھا تجھ میں ترک و فرس و روم و زنگ کا
دستہ تھا گویا کہ تو گلہائے رنگا رنگ کا

لیکن آخر طبع دوراں کا ہے جیسے اقتضا　　ہر ترقی کی ہے حد ہر ابتدا کی انتہا
جبکہ دورہ اپنا تو دنیا میں پورا کر چکا　　وقت اے جانِ جہاں تیرا بھی آخر آلگا
گردشِ افلاک کے ہونے لگے تجھ پر بھی وار
تیرے گلشن سے بھی کوچ آخر لگی کرنے بہار

تجھ پہ اے دارالخلافت انقلاب آنے لگے　　غیب سے تجھ کو تباہی کے خطاب آنے لگے
طالعِ مشفق کے پیغام عتاب آنے لگے　　تیرہ بختی کے نظر یاروں کو خواب آنے لگے

دولت و اقبال کا بندھنے لگا رختِ سفر
تجھ سے لے دار العلوم اٹھنے لگا علم و ہنر

ہو گئے تیرے محدث راہیِ دار السلام   کر گئے دنیا سے رحلت تیرے مفتی اور امام
ہو گیا رخصت جہاں سے تیرا جاہ و احتشام   رفتہ رفتہ ہو گئی سب صاحبی تیری تمام

مجلسیں برہم ہوئیں زیر و زبر دیواں ہوئے
خانقاہیں بے چراغ اور مدرسے ویراں ہوئے

چل دئے نوبت بہ نوبت تیرے شاعر اور ادیب   مٹ گئی تیری طبابت چھٹ گئے تیرے طبیب
جاگ جاگ آخر سدا کو سو گئے تیرے نصیب   اس گلستاں سے نہ اٹھی پر صدائے عندلیب

جس کو کھو بیٹھے نظیر اسکا کہیں پایا نہ پھر
جو گیا اس کا کوئی قائم مقام آیا نہ پھر

گر گئے آداب اور اخلاق سب تجھ سے سفر   گر گیا نظروں سے تیرا سب جلال و جاہ و فر
جھڑ گئے تاج شرف سے تیرے سب لعل و گہر   تجھ کو اے دار الخلافت کھا گئی کس کی نظر

علم ہے باقی نہ اب دولت ہی تیرے پاس وہ
اے گلِ پژمردہ تیری کیا ہوئی بو باس وہ

دورِ آخر میں کہ تیرا تیل تھا سب جل گیا   بجھتے بجھتے تھا کچھ اک تو نے سنبھالا سا لیا
خاک نے یاں تیری پھر اگلے وہ لعلِ بے بہا   جن سے روشن ہو گیا کچھ دن کو نام اسلاف کا

عہدِ ماضی کا سماں آنکھوں میں سب کے چھا گیا
خواب جو بھولا ہوا مدت کا تھا یاد آ گیا

جاہ و مکنت قوم کی گو تجھ میں کچھ باقی نہ تھی   پر نہ کی عرض ہنر میں تو نے اب بھی کوتہی
اس بزرگی سے گزاری تیرھویں تو نے صدی   پھیر دی آنکھوں میں پھر تصویر دورِ اکبری

علم دین و شعر و حکمت طب و تاریخ و نجوم
ڈال دی پھر اپنی تو نے چار سو عالم میں دھوم

ملک میں ہر سو دہی پھر دور دورہ تھا ترا   تھا جہاں علم و ہنر گودوں کا پالا تھا ترا
تھی جہاں کچھ روشنی وہ سب اجالا تھا ترا   پھر جو دیکھا غور سے وہ اک سنبھالا تھا ترا

چاند نکلا تھا گہن سے جو وہ پھر گہنا گیا

چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا چھا گیا

علم والے علم کے دریا بہا کر چل دیئے　　واعظانِ قوم سوتوں کو جگا کر چل دیئے

کچھ سخنور تھے کہ سحرِ بیاں دکھا کر چل دیئے　　کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جلا کر چل دیئے

ایک تختہ رہ گیا تھا تیری ٹوٹی ناؤ کا

لے گئی سیلِ فنا اس کو بھی لے دلّی بہا

جا چکی تھی تجھ سے گو اے شہر عظمت قوم کی　　ہو چکی تھی آبرو مدت سے رخصت قوم کی

پر کچھ اک محمود خاں کے دم سے تھی پت قوم کی　　اٹھ گیا وہ بھی جہاں سے آہ قسمت قوم کی

کیا دکھا کر اب دلائے گا سلف کو یاد تو

ناز اب کس پر کرے گا اے جہاں آباد تو

تجھ میں ہے دلّی کوئی اب ایسا مقبولِ جہاں　　نازشِ دار الخلافت مرجعِ ہندوستاں

ہند سے لے تا عرب کشمیر سے تا انڈماں　　بچہ بچہ کی زباں پر نام ہے جس کا رواں

نیم جانوں کا مسیحا اور غریبوں کا طبیب

خود حکیموں کا معالج اور طبیبوں کا طبیب

ہے کوئی اب تجھ میں ہیرو ایسا یکتائے زماں　　واقعاتِ زندگی کر دیجئے گر اس کے بیاں

سمجھیں اک فسانہ ناواقف اسے اور داستاں　　تھی تعجب خیز الحق سیرتِ محمود خاں

یا وہ اک جوہر الگ تھا جو ہر انسان سے

یا نکلتے اب نہیں ایسے جواہر کان سے

اس کا تھا دولتخانہ ملک کا دار الشفا　　خلق کا دن رات رہتا تھا جہاں تانتا بندھا

مفت بیماروں کو اس کے در سے ملتی تھی دوا　　فکر نذرانہ کا تھا ان کو نہ شکرانہ کا تھا

اس کے استغنا سے جھک جاتا تھا سر مغرور کا

اور عنایت سے کنول جاتا تھا کھل مزدور کا

بے حقیقت اس نے سمجھا مال و دولت کو سدا　　تھے برابر اس کے نزدیک اغنیا اور بے نوا

گو طبیب اور ڈاکٹر تھے شہر میں بے انتہا　　کوئی مفلس کا نہ تھا پرسان حال اس کے سوا

کرتے ہیں جو دعوئے ہمدردئ نوعِ بشر

اس نے باطل کر دیئے تھے ان کے دعوے سر بسر

طب مسلمانوں کی لی اس کی مسیحائی نے تھام — ورنہ اب تک اس کی ترکی ہو چکی ہوتی تمام
رونقِ طبِ جدید اور اس پہ ہیں خاص و عام — درس گاہوں اور دوا خانوں کا اسکے انتظام

دیکھ کر تھا اک زمانہ اس کی خوبی کا مُقِر
طبِ یونانی نئی تھی خلق کی نظروں سے گر

سرجنوں کے دیکھ دیکھ آلات و اعمال و حِیَل — آگیا تھا رایوں میں اور اعتقادوں کے خلل
دیں مگر اس کی مسیحائی نے سب رائیں بدل — طبِ یونانی گئی کچھ دن کو پھر گر کر سنبھل

سلطنت اور عقل تھی جس فوج کی ہمت فزا
ایک طاقت اس کے حملوں سے ہوئی عہدہ برآ

گو کہ جاتے تھے شفاخانوں میں خاص و عام سب — پر الجھ جاتے تھے سخت امراض میں بیمار جب
خلق کا پھر ملجا و ماویٰ اسی کا تھا مطب — اس کے بیماروں کو گو مایوس ہوں یکجا طب

سوءِ تدبیرِ معالج کی خطا کا ڈر نہ تھا
موت کا ڈر تھا مگر مہلک دوا کا ڈر نہ تھا

رکھتے ہیں آلات پر سرجن بھروسا جس قدر — کرتے ہیں معلوم جو جو ان سے امراضِ بشر
وہ بتا دیتا تھا سب کچھ رکھ کے انگلی نبض پر — اس کی اک انگلی پہ تھے قربان سو تھرمامیٹر

نارسا تھیں دوربینیں اہلِ صنعت کی جہاں
جا پہنچتی تھی نگاہِ دوربیں اس کی وہاں

شہر کے سب مرد و زن پیر و جواں خرد و کلاں — تھے قوی الفت اس سے ایسے جیسے پیشہ سو مکاں
جس کو نسخہ دے دیا لکھ کر وہ یہ سمجھا کہ ہاں — زندگانی کے ابھی کچھ اور دن باقی ہیں یہاں

گو کہ ماتم ملک میں ہر سو ہے اس کا آج کل
پڑ گئی اے شہر تیری جان میں گویا کہ کل

کیا عجب پیدا ہوں پھر ایسے طبیب اور چارہ گر — جو کہ تشخیصِ مرض میں رکھتے ہوں غائر نظر
خلق کو تکیہ ہو جن کی رائے اور تدبیر پر — شہر میں ہوں مرجعِ کل خلق میں ہوں نامور

جمع ہوں محمود خاں کی ذات میں انکے کمال
ہے یہ سب ممکن۔ مگر محمود خاں ملنا محال

راستی اور راستبازی اس کی تھی ضرب المثل — اس کے کاموں میں ریا تھی اور نہ باتوں میں دغل

امتحاں کے وقت جب تھا نظم عالم میں خلل راستبازوں کی گئی تھی ٹھیک جب ہر سو کل

کھوٹ سے اِس آنچ میں نکلا وہ خالص اس طرح
آگ میں تپ کر کھرا رہتا ہے کندن جس طرح

وہ زمانہ جبکہ تھا دلّی میں اک محشر بپا نفسی نفسی کا تھا جب چاروں طرف غل پڑ رہا
اپنے اپنے حال میں تھا مبتلا چھوٹا بڑا باپ سے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جدا

موجزن تھا جبکہ دریائے عتابِ ذوالجلال
باغیوں کے ظلم کا دنیا پہ نازل تھا وبال

دیکھ کر یاروں کی جب آنکھیں چرا جاتے تھے یار ساتھ دنیا تھا کسی کا موت سے ہونا دوچار
یار سے یار آشنا سے آشنا تھے شرمسار شہر میں تھی چارسو گویا قیامت آشکار

آگ تھی اک مشتعل ایسی کہ تھا جس سے خطر
جل نہ جائیں اسکے شعلے سے کہیں سب خشک و تر

ہو رہا تھا جبکہ کھوٹے اور کھرے کا امتحان کر رہا تھا اپنے جوہر خاک کا پتلا عیاں
ایک جانب تھی اگر خندق تو اک جانب کنواں بال سے باریک تر تھی راہ ان کے درمیاں

راہرو گمراہ تھے اور راہ پُر خوف و خطر
اس نے دکھلایا کہ یوں چلتے ہیں سیدھی راہ پر

مجرم و بے جرم میں تھا حاکموں کو اشتباہ عدل تھا مجرم کا دشمن اور بری کا عذر خواہ
مجرموں کے جرم پر دیو آور تھے سب گواہ پر نہ تھا کوئی شفیع ان کا کہ جو تھے بے گناہ

ایسے نازک وقت میں مردانگی جو اس نے کی
اہلِ انصاف اس کو بھولے ہیں نہ بھولیں گے کبھی

بالیقیں جن ملزموں کو اس نے سمجھا بے خطا مارشل لا میں ثبوت ان کی صفائی کا دیا
چین سے بیٹھا نہ جبتک ہو گیا اک اک رہا جو کہ تھے نادار کی ان کی اعانت برملا

نہ دیا کھانا دیا کپڑا دیا بستر دیا
بے ٹھکانوں کو ٹھکانا بے گھروں کو گھر دیا

قصے جھگڑوں میں کبھی پڑنے کی خو جس کی نہ تھی دی گواہی جس نے ہرگز جھوٹی یا سچی نہ تھی
جس نے صورت تک عدالت کی کبھی دیکھی نہ تھی ہاتھ سے جس نے بڑوں کی آن ابتک دی نہ تھی

بے گناہوں کے لئے وہ رات دن چکر میں تھا
پاؤں ایک اس کا عدالت میں تھا اور اک گھر میں تھا

جبکہ عنقا تھی دیانت بین ابنائے زماں — تھی امانت جس کی اس کے پاس ہلکی یا گراں
خوف میں پاس اپنے رکھا اسکو مثلِ پاسباں — کی حوالے مالکوں کے جب ہوا امن و اماں
ایک عالم ناخدا ترسی میں جب بیباک تھا
اسکا دامن تھا کہ ہر دھبے سے بالکل پاک تھا

وضعداری میں نہ تھا اس کا زمانہ میں بدل — وضع میں اس کی تغیر تھا نہ عادت میں خلل
وقت کی تاثیر کا اس پر نہ چلتا تھا عمل — انقلاب دہر کی زد سے گیا تھا وہ نکل
اس کے آگے ان نئے سانگوں کی کچھ ہستی نہ تھی
اس پہ چلتی کچھ زمانہ کی زبردستی نہ تھی

کی تھی جو بچپن سے طرزِ زندگانی اختیار — اس میں فرق آیا نہ وقتِ واپسیں تک زینہار
کوہِ راسخ کی طرح تھا ایک حالت پر قرار — وضع اس کی جو کہ تھی وضعِ سلف کی یادگار
قوم کی ازیادِ رفتہ خواب کی تعبیر تھی
عہدِ عالمگیر و اکبر شاہ کی تصویر تھی

سر پہ دنیا کے علائق کا تھا گو بارِ گراں — پر ہر اک حالت میں ہلکی پھول سی رہتی تھی جاں
پابگل دنیا میں پر دنیا کے غم سے برکراں — رنج ہو یا ہو خوشی جب جا کے دیکھو شادماں
ظاہرا پابند تھا دنیا کی رسم و راہ کا
دل مگر پایا تھا ایسا جیسا اہل اللہ کا

منقبض اس کو نہ مکروہات میں پایا کبھی — غم سے دنیا کے نہ پیشانی پہ چیں لایا کبھی
دل کسی بادِ مخالف سے نہ کمھلایا کبھی — تلخیٔ دوران سے چتون پر نہ بل آیا کبھی
کی بسر دار المحن میں بزمِ عشرت کی طرح
عمر کاٹی دوزخِ دنیا میں جنت کی طرح

مٹ گئی افسوس اک ایسی سلف کی یادگار — قوم میں جس کی مثال آیندہ کم دیکھیں گے یار
گل کھلائے گی نئے گلشن میں اب بادِ بہار — رنگ ہوگا جس میں لیکن بو نہ ہوگی زینہار
کرتے ہیں جب ان حوادث کے نظر انجام پر

قوم میں اک ہم کو سناٹا سا آتا ہے نظر

اک زمانہ تھا کہ تھا ہم سے موافق روزگار
اہل علم و فضل و دانش کا نہ تھا ہم کو شمار
ایسے حاصل خیز دنیا میں نہ ہوں گے کشت زار
جیسے مردم خیز تھے اسلام کے شہر و دیار
مرتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یاں
سورج آتا تھا نکل جب چاند چھپ جاتا تھا یاں

پایہ اب پہنچی ہے ہم میں نوبت قحط الرجال
ایک اٹھ جاتا ہے دنیا سے اگر صاحب کمال
دوسری ملتی نہیں دنیا میں پھر اس کی مثال
ذات باری کی طرح گویا کہ تھا وہ بے ہمال
ظاہر اب وقت آخر ہے ہماری قوم کا
مرثیہ ہے ایک کا اب نوحہ ساری قوم کا

سنتے ہیں حالی سخن میں تھی بہت وسعت کبھی
تھیں سخنور کے لئے چاروں طرف راہیں کھلی
داستاں کوئی بیاں کرتا تھا حسن و عشق کی
اور تصوف کا سخن میں رنگ بھرتا تھا کوئی
گاہ غزلیں لکھ کے دل یاروں کے گرماتے تھے لوگ
گہ قصیدے پڑھ کے خلعت اور صلے پاتے تھے لوگ

پر ملی ہم کو مجال نعرہ اس محفل میں کم
راگنی نے وقت کی لینے دیا ہم کو نہ دم
نالہ و فریاد کا ٹوٹا کہیں جب تک نہ سم
کوئی یہاں رنگیں ترانہ چھیڑنے پائے نہ ہم
سینہ کوبی میں رہے جب تک کہ دم میں دم رہا
ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

پیغمبرِ اسلام کی تعلیم

نہ واقف تھے انساں قضا اور جزا سے
نہ آگاہ تھے مبدا و منتہا سے
لگالی تھی ایک اک نے لو ماسوا سے
پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے
یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا
یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق
زبان اور دل کی شہادت کے لائق

اسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق ۔ اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اُس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ
اُسی پر بھروسہ ہمیشہ کرو تم ۔ اُسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اُسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم ۔ اُسی کی طلب میں مرو جب مرو تم
مبرّا ہے شرکت سے اسکی خدائی
نہیں اسکے آگے کسی کو بڑائی
خرد اور ادراک رنجور ہیں واں ۔ مہ و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں ۔ نبی اور صدیق مجبور ہیں واں
نہ پرسش ہے رہبان و احبار کی واں
نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں
تم اوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا ۔ کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا ۔ بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا
سب انسان ہیں واں جسطرح سرفگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی ایک اُسکا بندہ
بنانا نہ تربت کو میری صنم تم ۔ نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم ۔ کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اسکا اور ایلچی بھی
اسی طرح دل اُنکا ایک اک نے توڑا ۔ ہر اک قبلۂ کج سے منہ اُن کا موڑا
کہیں ماسوا کا علاقہ نہ چھوڑا ۔ خداوند سے رشتہ بندوں کا جوڑا
کبھی کے جو پھرتے تھے مالک سے بھاگے
دئے سر جھکا اُن کے مالک کے آگے
پتہ اصل مقصود کا پا لیا جب ۔ نشاں گنج و دولت کا ہاتھ آگیا جب
محبّت سے دل اُن کا گرما گیا جب ۔ سماں اُنپہ توحید کا چھا گیا جب
سکھائے معیشت کے آداب اُن کو

پڑھائے تمدن کے سب باب اُن کو

جتائی اُنہیں وقت کی قدر و قیمت
دلائی انہیں کام کی حرص و رغبت
کہا چھوڑ دیں گے سب آخر رفاقت
ہوں فرزند و زن انہیں یا مال و دولت
نہ چھوڑے گا پر ساتھ ہرگز تمہارا
بھلائی میں جو وقت تم نے گذارا

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے
فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے
اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کرلو کہ تھوڑی ہے مہلت

یہ کہہ کر کیا علم پر اُن کو شیدا
کہ ہیں دور رحمت سے سب اہل دنیا
مگر دھیان ہے جن کو ہر دم خدا کا
ہے تعلیم کا یا سدا جن میں چرچا
اُنہیں کے لئے یاں ہے نعمت خدا کی
اُنہیں پر ہے واں جا کے رحمت خدا کی

سکھائی اُنہیں نوع انساں پہ شفقت
کہا ہے یہ اسلامیوں کی علامت
کہ ہمسایہ سے رکھتے ہیں وہ محبت
شب و روز پہنچاتے ہیں ان کو راحت
وہ جو حق سے اپنے لئے چاہتے ہیں
وہی ہر بشر کے لئے چاہتے ہیں

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کسی کے گر آفت گذر جائے سر پر
پڑے غم کا سایہ نہ اس بے اثر پر
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

ڈرایا تعصب سے اُن کو یہ کہہ کر
کہ زندہ رہا اور مرا جو اسی پر
ہوا وہ ہماری جماعت سے باہر
وہ ساتھی ہمارا نہ ہم اُس کے یاور
نہیں حق سے کچھ اس محبت کو بہرا
کہ جو تم کو اندھا کرے اور بہرا

بچایا بُرائی سے اُن کو یہ کہہ کر　　کہ طاعت سے ترکِ معاصی ہی بہتر
تورّع کا ہے ذات میں جن کی جوہر　　نہ ہوں گے کبھی عابد ان کے برابر
کرو ذکر اہلِ ورع کا جہاں تم
نہ لو عابدوں کا کبھی نام واں تم

عزیزوں کو محنت کی رغبت دلائی　　کہ بازو سے اپنے کرو تم کمائی
خبر تا کہ لو اس سے اپنی پرائی　　نہ کرنی پڑے تم کو در در گدائی
طلب سے ہے دنیا کی گر یاں بہ نیّت
تو چمکو گے واں ماہ کامل کی صورت

امیروں کو تنبیہ کی اِس طرح پر　　کہ ہیں تم میں جو اغنیا اور تونگر
اگر اپنے طبقے میں ہوں سب سے بہتر　　بنی نوع کے ہوں مددگار و یاور
نہ کرتے ہوں بے مشورت کام ہرگز
اُٹھاتے نہ ہوں بیدھڑک گام ہرگز

تو مردوں سے آسودہ تر ہے وہ طبقہ　　زمانہ مُبارک ملے جس کو ایسا
پہ جب اہلِ دنیا ہوں اشرار دنیا　　نہ ہو عیش میں جن کو اوروں کی پروا
نہیں اس زمانہ میں کچھ خیر و برکت
اقامت سے بہتر ہے اُس وقت رحلت

دیئے پھیر دل اُن کے مکر و ریا سے　　بھرا ان کے سینہ کو صدق و صفا سے
بچایا اُنہیں کذب سے افترا سے　　کیا سرخرو خلق سے اور خدا سے
رہا قول حق میں نہ کچھ باک اُن کو
بس اک شوب میں کر دیا پاک اُن کو

کہیں حفظِ صحت کے آئیں سکھائے　　سفر کے کہیں شوق اُن کو دلائے
مفاد اُن کو سوداگری کے سوجھائے　　اصول اُن کو فرماندہی کے بتائے
نشانِ راہ و منزل کا اِک اِک دکھایا
بنی نوع کا ان کو رہبر بنایا

—— ❖ ——

تضیعِ اَوقات

وہ بے مول پونجی کہ ہے اصل دولت — وہ شائستہ ملکوں کا گنجِ سعادت
وہ دولت کہ ہے وقت جس سے عبارت — وہ آسودہ قوموں کا راس البضاعت
نہیں اُس کی وقعت نظر میں ہماری
یونہی مُفت جاتی ہے برباد ساری

اگر ہم سے مانگے کوئی ایک پیسا — تو ہو گا کم و بیش بار اس کا دینا
مگر ہاں وہ سرمایۂ دین و دنیا — کہ ایک ایک لمحہ ہے انمول جس کا
نہیں کرتے خسّت اُڑانے میں اُس کے
بہت ہم سخی ہیں لُٹانے میں اُس کے

اگر سانس دن رات کی سب گنیں ہم — تو نکلیں گے انفاس ایسے بہت کم
کہ ہو جن میں کل کے لئے کچھ فراہم — یونہی گذرے جاتے ہیں دن رات پیہم
نہیں کوئی گویا خبردار ہم میں
کہ یہ سانس آخر ہے اب کوئی دم میں

گدڑیئے کا وہ حکم بردار کُتّا — کہ بھیڑوں کی ہر دم ہے کھوج لگاتا
جو ریوڑ میں ہوتا ہے پتے کا کھڑکا — تو وہ شیر کی طرح پھرتا ہے بپھرا
گر انصاف کیجے تو ہے ہم سے بہتر
کہ غافل نہیں فرض سے اپنے دم بھر

وہ قومیں جو سب راہیں طے کر چکی ہیں — ذخیرے ہر اک جنس کے بھر چکی ہیں
ہر اک بوجھ بار اپنے سر دھر چکی ہیں — ہوئیں تب ہیں زندہ کہ جب مر چکی ہیں
اسی طرح راہِ طلب میں ہیں پویا
بہت دور ابھی ان کو جانا ہے گویا

کسی وقت جی بھر کے سوتے نہیں وہ — کبھی سیر محنت سے ہوتے نہیں وہ
بضاعت کو اپنی ڈبوتے نہیں وہ — کوئی لمحہ بے کار کھوتے نہیں وہ
نہ چلنے سے تھکتے نہ اُکتاتے ہیں وہ

بہت بڑھ گئے اور بڑھے جاتے ہیں وہ

گر ہم کہ اب تک جہاں تھے وہیں ہیں جمادات کی طرح بارِ زمیں ہیں
ہیں دنیا میں ایسے کہ گویا نہیں ہیں زمانہ سے کچھ ایسے فارغ نشیں ہیں
کہ گویا ضروری تھا جو کام کرنا
وہ سب کر چکے ایک باقی ہے مرنا

ہندوؤں کی معزز قومیں

یہاں اور ہیں جتنی قومیں گرامی خود اقبال ہے آج اُنکا سلامی
تجارت میں ممتاز دولت میں نامی زمانہ کے ساتھی ترقی کے حامی
نہ فارغ ہیں اولاد کی تربیت سے
نہ بے فکر ہیں قوم کی تقویت سے
دُکاں اُن کی ہے اور بازار اُن کا بنج اُن کا ہے اور بیوپار اُن کا
زمانہ میں پھیلا ہے بیوپار ان کا ہے پیر و جواں برسرِ کار ان کا
مدار اہلکاری کا ہے اب اُنھیں پر
انہیں سے ہیں آفس انہیں سے ہیں دفتر
معزز ہیں ہر ایک دربار میں وہ گرامی ہیں ہر ایک سرکار میں وہ
نہ رسوا ہیں عادات واطوار میں وہ نہ بدنام گفتار و کردار میں وہ
نہ پیشہ سے حرفہ سے انکار اُن کو
نہ محنت مشقت سے کچھ عار اُن کو
طبیعت میں اک اک کی ہے خاکساری بُرا سُن کے کرتے ہیں وہ بردباری
تواضع ہے سب کی رگ و پے میں ساری دماغ ان کے ہیں کبر و نخوت سے عاری
نہ باتوں میں ان کی حقارت کسی کی
نہ جلسوں میں ان کے مذمت کسی کی
جو گرتے ہیں گر کر سنبھل جاتے ہیں وہ پڑے زد تو بچ کر نکل جاتے ہیں وہ
ہر اک سانچہ میں جا کے ڈھل جاتے ہیں وہ جہاں رنگ بدلا بدل جاتے ہیں وہ

ہراک وقت کا مقتضیٰ جانتے ہیں
زمانے کے تیور وہ پہچانتے ہیں

مگر ہے ہماری نظر اتنی اونچی　　کہ یکساں ہے واں سب بلندی و پستی
نہیں ابتک اصلاح جس کو اتنی　　کہ ہے کون مردار گنتیا ترقی

جدھر کھول کر آنکھ ہم دیکھتے ہیں
زمانے کو اپنے سے کم دیکھتے ہیں

زمانہ کا دن رات ہے یہ اشارا　　کہ ہے آشتی میں مری یاں گذارا
نہیں پیروی جن کو میری گوارا　　مجھے اُن سے کرنا پڑے گا کنارا

سدا ایک ہی رُخ نہیں ناؤ چلتی
چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

(حالیؔ)

کوہستان کا نظّارہ

(ط)

ہاں مبارک تجھے اے دید کی مشتاق نظر　　ایک باغِ گلِ نظّارہ ہے شملہ کا سفر
قلّۂ کوہ جو ابھرا ہے تو اک شان کے ساتھ　　کھڈ جو گہرائی میں اُترا ہے تو اک آن کے ساتھ
چوٹیوں اور کھڈوں پر جو ذرا کیجے نظر　　اور روئیدگی کا دیکھیے منظر پہ اثر
سبزہ ہی سبزہ ہر اک سمت نظر آتا ہے　　ایک دریائے زمرد ہے کہ لہراتا ہے
صفحۂ دلکشِ کہسار عجب گلشن ہے　　سبزہ و گل سے جو قلّہ ہے سو اک خرمن ہے
نخلبندِ چمنِ دہر ہے مالی اِس کا　　گل سے رہتا نہیں دامن کبھی خالی اس کا
یاں جو پودا ہے سو ہے سرو کی صورت آزاد　　خوشنوایانِ چمن کو نہیں خوفِ صیّاد
پھول اک طرزِ دلاویز سے کھلتے ہیں یہاں　　شجر اک جنبشِ مستانہ سے ہلتے ہیں یہاں
پہنی ہیں پھولوں نے خوش رنگ قبائیں کیا کیا　　دل لبھاتی ہیں پرندوں کی صدائیں کیا کیا
دیکھنا اُڑتی ہوئی تیتریوں کے انداز　　گویا قدرت نے عطا کی ہے گلوں کو پرواز
کس قدر حسن بکھیرا ہے یہاں قدرت نے　　کیا ویرانے کو فردوس نشاں قدرت نے

دیکھئے سامنے اِک کھڈ سے وہ بادل اُٹھا — اِک علم نور کا آکاس میں لہرانے لگا
آئے لو! وہ اور بھی کچھ ابر کے پارے آئے — سینکڑوں رنگ سے جوبن کو نکھارے آئے
نہیں بادل کے یہ ٹکڑے، یہ ہیں چنچل پریاں — محوِ سیرِ کرۂ باد ہیں رقصاں رقصاں
ان میں یہ ناز یہ چھل بل یہ ادا یہ گھاتیں — بادلوں کو کہیں آتی ہیں بھلا یہ باتیں؟
نیلی پوشاک کسی کی ہے کسی کی ہے ہری — کوئی مٹیالی پری ہے تو کوئی سُرخ پری
کیسی اٹکھیلیاں کرتی ہیں ہوا سے دیکھو! — ناچتی پھرتی ہیں کیا پیاری ادا سے دیکھو!
آئے لو! سب چھپ گئیں دامن میں گھٹا کی پریاں — ہو گئے بارشِ باراں کے مہیا ساماں
لو برسنے کو ہے پانی وہ گھٹائیں آئیں — مینہ کا پیغام لئے ٹھنڈی ہوائیں آئیں
ابر نے ڈھانپ لئے سب شجر و کوہ و زمیں — گویا جز ابر کے دنیا میں کوئی چیز نہیں
رعد نے آکے جو احکام میں کچھ تیزی کی — وہ لگی دینے گھٹا داد گہر ریزی کی!
کھل گیا ابر فلک صاف نظر آنے لگا — نیلگوں حُسن کی نیرنگیاں دِکھلانے لگا
واہ یہ صاف یہ شفاف یہ گہری نیلک — نہ زمرد میں یہ رنگت نہ یہ نیلم میں دمک
دیکھتا ہے اسے انسان تو کیا سوجھتی ہے — طائرِ روح کو پروازِ فنا سوجھتی ہے
سامنے دور افق تک جو نظر جاتی ہے — دُھر تلک کوہ کی نیلک ہی نظر آتی ہے
نظر آتا ہے افق میں جو ذرا ابرِ سفید — شوقِ نظارہ طلب کو ہے سحرگاہِ اُمید
اِک جھلک حسنِ ازل کی سی دکھا جاتا ہے — دل کو مشتاقِ رُخِ یار بنا جاتا ہے
آبشاروں کا سرِ کوہ طرب خیز وہ شور! — ہائے وہ نغمۂ مستانہ وہ رفتار وہ زور!
ندیاں دودھ کی بہتی ہیں یہاں بے محنت — دیکھے فرہاد تو حسرت سے کہے "یا قسمت!"
بحر کی تہ میں کوئی ہوگا پڑا مروارید — آبشاروں کو جو دیکھو تو ہمہ مروارید
آئی وہ دور سے مستانہ جھنجھوٹی کی صدا — گونج بھی ساتھ پیا تو ہے بجاتی اپنا
آہ موسیقیِ جاں بخش! جہاں سوز آہنگ! — تیری تاثیر سے ذی روح بنا تو وہ سنگ
گونج کیا ہے یہ ہے کہسار کی پُر درد صدا — اثرِ نغمہ سے ہے وجد میں پتھر گاتا
ہائے اِس حُسن کے مسکن میں بھی آفت ہو وہی — اِس گلستاں میں بھی انساں کی مصیبت ہے وہی!
پیش ہر وقت وہی پیٹ کا دھندا اس کو! — جبرِ حالات کا ہر دم وہی رونا اس کو!
وہی محنت وہی ذلت ہے مقدر اس کا! — وہی حرماں وہی حسرت ہے مقدر اس کا!

ورنہ یہ عرصۂ کہسار عجب منظر ہے!   دل کو فرصت ہو تو پوچھا کو عجب مندر ہے!

ذرّے ذرّے میں یہاں ہے نظر آتا موہن
نت نئے روپ میں درشن ہے دکھاتا موہن

نیرنگ

گورِ غریباں

(۸)

(نظم سے مقابلہ کرنے پر ترجمہ کی پوری خوبی معلوم ہوتی ہے)

وداعِ روزِ روشن ہے گجر شامِ غریباں کا   چراگاہوں سے پلٹے قافلے وہ بے زبانوں کے
قدم گھر کی طرف کس شوق سے اٹھتا ہے دہقاں کا   یہ ویرانہ ہے میں ہوں اور طائر آشیانوں کے

اندھیرا چھا گیا دنیا نظر سے چھپتی جاتی ہے   جدھر دیکھو اٹھا کر آنکھ ادھر اک ہو کا ہے عالم

مگس لیکن کسی جا بھیرویں بے وقت گاتی ہے　　جرس کی دور سے کبھی پیہم آواز آتی ہے

کبھی اک گنبدِ کہنہ پہ بوم جا نشاں ویراں　　فلک کو دیکھ کر شکووں کا دفتر باز کرتا ہے
کہ دنیا سے الگ اک گوشۂ عزلت میں ہوں پنہاں　　کوئی پھر کیوں قدم اس کنجِ تنہائی میں دھرتا ہے

قطار اک سامنے ہے مولسریوں کی درختوں کی　　وہاں قبریں ہیں کچھ مٹی کے جیسے ڈھیر ہوتے ہیں
ہر اک نے مہکے پیش وگر کفن، گز بھر زمیں پائی　　بسانے والے جو ہیں گاؤں کے تہِ سب سوتے ہیں

نفسِ بادِ سحر کا نالۂ پُر درد بلبل کا　　ہوئے بیکار سب ان کو اٹھا سکتا نہیں کوئی
رہی بے فائدہ مستوں کی ہو حق شورِ قلقل کا　　ہیں ایسے نیند کے ماتے جگا سکتا نہیں کوئی

نہ چولھے آگ ہے روشن نہ اب ان کے گھڑے پانی　　نہ گھر والوں کو اب کچھ کام ہے فکرِ شبستاں سے
نہ بی بی کو سرِ شام انتظار اب ہے نہ حیرانی　　نہ بچے دوڑتے ہیں اب کہ لپٹیں آکے داماں سے

وہی ہیں یہ جنہیں فرصت ذرہ مہلت نہ تھی دم بھر　　وہی ہیں ہاتھ چلتے رہتے ہی تھے بیشتر جن کے
وہی ہیں یہ جنھوں نے ہل چلائے گیت گا گا کر　　بڑے سرکش درختوں کو گراتے تھے تبر جن کے

نہ دیکھیں حال ان لوگوں کا ذلت کی نگاہوں سے　　بھرا ہے جن کے سر میں غرۂ نوابی و خانی
یہ ان کا کاسۂ سر کھ رہا ہے کج کلاہوں سے　　عجب نادان ہیں جن کو ہے عُجبِ تاجِ سلطانی

نہیں شایانِ فخر و ناز نوبت اور نقارہ　　جو نازاں جاہ و ثروت پہ ہیں ان پر موت ہنستی ہے
وہ ساعت آنے والی ہے نہیں جس سے کوئی چارہ　　کہ فانی ہے جہاں ہر اوج کا انجام پستی ہے

نظر آتے نہیں کتبے مزاروں پر تو کیا غم ہے　　چراغاں اور صندل اور گلِ ریحاں نہ ہو تو کیا
نہیں نمگیر اور کمخواب کی چادر تو کیا غم ہے　　جو خوش آہنگ کوئی قاری قرآں نہ ہو تو کیا

بنا لیتے ہو بہو تصویر اگر مدفن پہ رکھنے کو　　پلٹ کر اس سے کچھ نکلی ہوئی سانس آ نہیں سکتی
دعا ہو فاتحہ ہو مرثیہ ہو آہ و زاری ہو　　کوئی آواز ان کے کان تک بھی جا نہیں سکتی

خدا جانے تھے ان لوگوں میں کیا کیا جوہرِ قابل　　خدا معلوم رکھتے ہوں گے یہ ذہنِ رسا کیسے
خدا ہی کو خبر ہے کیسے کیسے ہونگے صاحبدل　　خدا معلوم ہوں گے بازوئے زور آزما کیسے

زمانہ نے مگر کوئی ورق ایسا نہیں الٹا　　کہ بارِ فکر سے مہلت یہ پاتے سر اٹھانے کی
مصیبت نے طبیعت کی روانی کو کیا پسپا　　کہ بار آنے نہ پائی جوہرِ ذاتی دکھانے کی

بہت سے گوہرِ شہوار باقی رہ گئے ہوں گے　　کہ جن کی خوبیاں سب مٹ گئیں تہ میں سمندر کی
ہزاروں پھول دشت و در میں ایسے بھی کھلے ہونگے　　کہ جن کے مسکرانے میں تھی خوشبو مشکِ اذفر کی

یہ صاحب عزم ہیں گو رزم کی نوبت نہیں آئی ۔ حکومت اپنے قریہ میں کی لیکن دوست دشمن پر
وہ فردوسی یہ ہیں جن کی زباں کھلنے نہیں پائی ۔ وہ رستم ہیں نہیں سہراب کا خوں جن کی گردن پر
مقدر نے انہیں مصروف رکھا غلبہ رانی میں ۔ وگرنہ حکمرانی کا بھی جلوہ یہ دکھا دیتے
عجب کیا شہرۂ آفاق ہوتے خوش بیانی میں ۔ اور اپنے کارنامے اہل عالم کو سنا دیتے
رہی محروم نیکی سے بچے ہر اک برائی سے ۔ نہ زور مردم آزاری نہ شور فتنہ انگیزی
نہ دولت کی طمع میں گناہوں کے گلے کاٹے ۔ نہ کی خلق خدا کے ساتھ بے رحمی و خونریزی
نہ صحبت میں امیروں کی کبھی خون جگر کھایا ۔ نہ اوٹایا لہو اپنا کبھی جھوٹی خوشامد سے
نہ مل کر روغن قساز آتش نخوت کو بھڑکایا ۔ کہ جس سے خود پسندوں کا تبختر بڑھ چلی حد سے
الگ ہر نیک و بد سے دور دنیا کے مکاید سے ۔ گئے بیگانہ وار اور خلق میں بیگانہ وار آئے
رہے محفوظ ابنائے زمانہ کے مفاسد سے ۔ قدم راہ توکل سے کبھی ڈگنے نہیں پائے
نہ دیکھ ان استخواں ہائے شکستہ کو حقارت سے ۔ یہ ہے گور غریباں اک نظر حسرت سے کرتا جا
نکلتا ہے یہ مطلب لوح تربت کی عبارت سے ۔ جو اس رستے گذرتا ہے تو ٹھنڈی سانس بھرتا جا
لکھے ہیں نام ان قبروں پہ گو کاواک حرفوں میں ۔ مگر بھولے ہوئے کو ٹھیک رستہ یہ بتاتے ہیں
زیادہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا اگر سوچیں ۔ کہ مرنے سے جو ناواقف ہیں رستہ سیکھ جاتے ہیں
جو آیا ہے جہاں میں یاں سے جانا ہے اسے اک دن ۔ یہ ہونا ہے کوئی چاہے گا دل میں یا نہ چاہے گا
مگر جاتے ہوئے پھر کر نہ دیکھے یہ نہیں ممکن ۔ دلوں سے یاد بھی مٹ جائے یہ حاشا نہ چاہیگا
کوئی زانو کسی کا ڈھونڈتا ہے دم نکلنے کو ۔ کہ دیکھے اشک گرتے چاہنے والے کے دامن میں
کسی کی ہے یہ خواہش دوست کاندھا دیں جنازے کو ۔ پھر اس پر فاتحہ کی آرزو ہے کنج مدفن میں
حقیقت غور سے دیکھی جو ان سب مرنے والوں کی ۔ تو ایسا ہی نظر آنے لگا انجام کار اپنا
انہیں کی طرح جیسے مل گئے ہیں خاک میں ہم بھی ۔ یوں ہی پرساں حال آنکلا ہے اک دوستدار اپنا
یہ اس سے ایک دہقان کہن سال آ کے کہتا ہے ۔ کہ ہاں ہاں خوب ہم واقف ہیں دیکھا ہے اسے اکثر
پھر اسکے بعد دل ہی دل میں کچھ غم کھا کے کہتا ہے ۔ کہ اب تک پھرتا ہے آنکھوں میں پھرنا اسکا سبزہ پر
وہ اسکا نور کے تڑکے ادھر گلگشت کو آنا ۔ وہ پو پھٹنے سے پہلے آ کے پھرنا سبزہ زاروں میں
وہ کچھ کم دن رہے اس کا لب جو کی طرف جانا ۔ وہ اسکا مسکرانا دیکھ کر شور آبشاروں میں
کبھی ایسی ہنسی لب پر کہ ظاہر جس سے کچھ نفرت ۔ اور اسکے ساتھ ہی کچھ زیر لب کہتے ہوئے جانا

کبھی تیوری چڑھائے منہ بنائے رنج کی صورت ۔۔۔ کہ جیسے دل پہ صدمہ ہو زباں جس سے ہے بیگانہ
غرض کیا کیا کہوں اک روز کا یہ ذکر ہے صاحب ۔۔۔ کہ اس میداں میں پھرتے صبحدم اسکو نہیں دیکھا
ہوا پھر دوسرا دن اور نظر سے وہ رہا غائب ۔۔۔ خیاباں میں اسے پایا نہ دریا پر کہیں دیکھا
پھر اس کے تیسرے دن دیکھتا کیا ہوں جنازے کو ۔۔۔ لئے آتے ہیں سب پڑھتے ہوئے کلمہ شہادت کا
تمہیں پڑھنا تو آتا ہوگا آؤ پاس سے دیکھو ۔۔۔ یہ اس کی قبر ہے اور یہ کتابہ سنگِ تربت کا
اب آغوشِ لحد میں سو رہا ہے چین سے کیسا ۔۔۔ گیا افسوس لیکن یہ جواں ناکام دنیا سے
دکھایا جاہ و شہرت نے نہ بھولے سے بھی منہ اپنا ۔۔۔ پھر ایسے نامرادوں کو بھلا کیا کام دنیا سے
ہر اک کے درد دکھ سے اسکو رہنا تھا سدا مطلب ۔۔۔ ہو ممکن تو یاری کی نہیں تو اشک باری کی
دیا دستِ تہی کے ساتھ طینت میں کرم یارب ۔۔۔ میں تیری شان کے قربان کیا اچھی تلافی کی
خدا بخشے اسے یوں دوست کا رہنا تھا وہ جویا ۔۔۔ تو نکلا دوست اک آخر خداوند کریم اس کا
اب اس کے نیک بد کا ذکر کرنا ہی نہیں اچھا ۔۔۔ کہ روشن ہے خدا پر عالمِ امید و بیم اس کا

(نظم طباطبائیؒ)

تخیّل کے کرشمے

(۹)

(۱)

ایک شب بند تھا میں گوشۂ تنہائی میں ۔۔۔ زلزلہ سا تھا مرے قصرِ شکیبائی میں
ابرِ غم تھے افقِ دل پہ مرے چھائے ہوئے ۔۔۔ سر پہ تھے صاعقۂ آفات کے منڈلائے ہوئے
میری قسمت بسرِ جنگ نظر آتی تھی ۔۔۔ زندگانی کی فضا تنگ نظر آتی تھی
ایک ہنگامہ تھا برپا مرے ارمانوں میں ۔۔۔ برقِ مضطر کی تڑپ تھی مری شریانوں میں
صرصرِ رنج کے جھونکے جو گزر جاتے تھے ۔۔۔ دفترِ قلب کے اوراق بکھر جاتے تھے
تھا سفینہ مرا طوفانِ حوادث میں رواں ۔۔۔ خوف تھا یہ کہ نہ ہو جائے تلاطم میں نہاں
بن کے گرداب ڈراتے تھے غم و یاس مجھے ۔۔۔ نظر آتے تھے نہنگانِ قضا پاس مجھے

(۲)

اک فرشتہ سا یکایک نظر آیا مجھ کو ۔۔۔ رخِ پُر نور تخیّل نے دکھایا مجھ کو
پیکرِ نور سے اسکے مجھے آئی یہ صدا ۔۔۔ میں ہوں اس وادیٔ ظلمت میں ترا راہنما

کھول کر آنکھ ذرا عالمِ ایجاد کو دیکھ
دامنِ دشت میں پھر گلشنِ شداد کو دیکھ

اب نہ طوفان نہ گھٹا ہے نہ بھنور پڑتے ہیں
نہ تباہی کے وہ ہنگامے نظر پڑتے ہیں

ہے فضا سامنے سرسبز تمناؤں کی
جنتیں کھیلتی ہیں گود میں صحراؤں کی

بنتے ہیں ریگِ رواں میں یونہی چشمے میرے
ابھی دیکھے ہیں کہاں تو نے کرشمے میرے

(۳)

میں نے یہ سنتے ہی پردے سے اُٹھتے دیکھے
یاس و حرماں کے جو بادل تھے وہ چھٹتے دیکھے

شبِ تاریک کی پسپائی نظر آئی مجھے
سرِ انجم کی صف آرائی نظر آئی مجھے

چاند کو ڈوب کے بادل سے نکلتے دیکھا
نور کو چشمۂ ظلمت سے اُچھلتے دیکھا

دشتِ ویراں میں چمن زار مہکتے دیکھے
مُرغِ فردوس کے شاخوں پہ چہکتے دیکھے

کشتیاں ریگ کے سیلاب میں چلتی دیکھیں
بجلیاں گود میں خاشاک کی پلتی دیکھیں

ذرے بنتے ہوئے خورشید درخشاں دیکھے
معجزے میں نے تخیل کے نمایاں دیکھے

نظر آیا جو یہ منظر کا نیا رنگ مجھے
اس طرب خیز تماشے نے کیا دنگ مجھے

کی تخیل کے فرشتے پہ تحیر سے نظر
پھر کہا اس سے کہ اے مایۂ بہبودِ بشر

کیا ہے رتبہ ترا، کیا شان ہے کیا دھن ہے تری
کس لئے محفلِ عالم میں یہ ٹُن گُن ہے تری

(۴)

ہنس کے فرمایا کہ اے بےخبرِ رازِ ازل
ہے مجھی سے یہ دو عالم کی فضا میں ہل چل

ہے دلوں اور دماغوں میں حکومت میری
دین و دنیا پہ ہے چھائی ہوئی وسعت میری

انبیا کے لئے اک محرم و دمساز تھا میں
ان کے خلوت کدۂ عشق کا ہمراز تھا میں

انبیا ہی نہیں کچھ ناز اُٹھاتے ہیں مرے
فلسفی جتنے ہیں اوصاف وہ گاتے ہیں مرے

میں نے قدرت کے معمے ہیں سکھائے انکو
راز جو عقل سے پنہاں تھے بتائے انکو

تھیں سب الجھی ہوئی اس نظمِ جہاں کی کڑیاں
میں نے زنجیر کی سب کھول کے رکھدیں کڑیاں

سلسلے علت و معلول کے کھولے میں نے
کلیئے عقل کی میزان میں تولے میں نے

شاعروں نے جو کرشمے مرے عریاں دیکھے
پھولتے پھلتے تصور کے گلستاں دیکھے

حسن کے ان کو جو نیرنگ دکھائے میں نے
باغِ فطرت کے نئے رنگ دکھائے میں نے

رُخ جو میں ان کے تصور کا پلٹ دیتا ہوں
پردے اسرارِ تجلی کے الٹ دیتا ہوں

زمزمے عشق و محبت کے سُناتا ہوں نہیں
طائفے رقص میں پریوں کے دکھاتا ہوں نہیں
زندگی کے کبھی اسرار بتائے میں نے
کبھی جذبات کے ہنگامے دکھائے میں نے
پھونکتا روح ہوں جب نثر کی تحریروں میں
رنگ بھرتا ہوں خیالات کی تصویروں میں
جس کو کہتے ہیں ادب ہے وہ گلستاں میرا
اس کی رنگینیوں میں حسن ہے عریاں میرا
ہیں ادیبوں کی زبانوں پہ ترانے میرے
یاد ہیں سحر نگاروں کو فسانے میرے
نظم میں زمزمہ کرتی ہیں اُمنگیں میری
نثر میں ناچتی پھرتی ہیں ترنگیں میری
جو ہوں مایوس انہیں غم سے چھڑاتا ہوں میں
گلشنِ سبز تمنا کا دکھاتا ہوں میں
تازگی میں دلِ افسردہ کو پہنچاتا ہوں
زندگی مردہ خیالات میں دوڑاتا ہوں
دم مرا درد کی تدبیرِ شفا کرتا ہے
سنگِ پارس مرا آہن کو طلا کرتا ہے
روحِ انسان کی تنگ و دو پہ ہے قابو میرا
مسمریزم کے کرشموں میں ہے جادو میرا
الغرض اپنے کمالات پہ ہے ناز مجھے
دی ہے خالق نے عجب قوتِ اعجاز مجھے

(وحید الدین سلیمؔ)

قلعۂ اکبر آباد

(۱۰)

یارب یہ کسی مشعلِ کشتہ کا دھواں ہے
یا گلشنِ برباد کی یہ فصلِ خزاں ہے
یا برہمیِ بزم کی فریاد و فغاں ہے
یا قافلۂ رفتہ کا پس خیمہ رواں ہے
ہاں دورِ گذشتہ کی مہابت کا نشاں ہے
بانیِ عمارت کا جلال اس سے عیاں ہے
اُڑتا تھا یہاں پرچمِ جم جاہیِ اکبر
بجتا تھا یہاں کوسِ شہنشاہیِ اکبر

وہ قصرِ معلّٰی کہ جہاں عام تھا دربار
آئینہ نمط صاف ہیں جس کے در و دیوار
اور سقف زر اندود ہے مانندِ چمن زار
اور فرش ہے مرمر کا مگر چشمۂ انوار
اب بانگِ نقیب اس میں نہ چاؤش کی للکار
سر سنگ کمربستہ نہ وہ مجمعِ حضار
کہتا ہے کبھی مرکزِ اقبال تھا میں بھی
ہاں قبلہ گہِ عظمت و اجلال تھا میں بھی

وہ چتر وہ دبہیم وہ سامان کہاں ہیں — وہ شاہِ ذوقرنین وہ خاقان کہاں ہیں
وہ بخشی و دستور وہ دیوان کہاں ہیں — خدامِ ادب اور وہ دربان کہاں ہیں
وہ دولتِ مغلیہ کے ارکان کہاں ہیں — فیضی و ابوالفضل سے اعیان کہاں ہیں

سنسان ہے وہ شاہ نشیں آج صد افسوس
ہوتے تھے جہاں خان و خوانین زمیں بوس

وہ بارگہِ خاص کی پاکیزہ عمارت — تاباں تھے جہاں نیرِّ شاہی و وزارت
بٹتی تھی جہاں نظم و سیاست کی مہارت — آتی تھی جہاں فتح ممالک کی بشارت
چوں تختۂ معزول پڑی ہے وہ اکارت — سیّاح کیا کرتے ہیں اب اس کی زیارت

کہتا ہے سخن فہم سے یوں کتبہ دروں کا
تھا مخزنِ اسرار یہی تاج دروں کا

ہاں کس لئے خاموش ہے او تختِ جگر ریش — کس غم میں سیہ پوش ہے؟ کیا سوگ ہے درپیش
کملی ہے ترے دوش پہ کیوں صورتِ درویش — جوگی ہے ترا نیتھ کہ صوفی ہے ترا کیش
بولا کہ زمانہ نے دیا نوش کبھی نیش — صدیاں مجھے گذری ہیں یہاں تین کم و بیش

صدقے کبھی مجھ پر گہر و لعل ہوئے تھے
شاہانِ معظم کے قدم میں نے چھوئے تھے

دشمن کے جھڑکے کی پڑی تھی یہیں بنیاد — ہوتی تھی تلاں دان میں کیا کیا دہش و داد
وہ عدل کی زنجیر ہوئی تھی یہیں ایجاد — جو سمعِ شہنشاہ میں پہنچاتی تھی فریاد
وہ نورجہاں اور جہانگیر کی افتاد — اس کلخ ہمایوں کو بہ تفصیل ہے سب یاد

ہر چند کہ بے کار یہ تعمیر پڑی ہے
قدر اس کی مورّخ کی نگاہوں میں بڑی ہے

اب دیکھئے وہ مسجد و حمام زنانہ — وہ نہر وہ حوض اور وہ پانی کا خزانہ
صنعت میں ہر اک چیز ہے یکتائے یگانہ — ہے طرزِ عمارت سے عیاں شانِ شہانہ
کیا ہوگئے وہ لوگ کہاں ہے وہ زمانہ — ہر سنگ کے لب پر ہے یہی غم اندوز ترانہ

چغتائیہ گلزار کی یہ فصلِ خزاں ہے
ممتاز محل ہے نہ یہاں نورجہاں ہے

وہ روپ ہے باقی نہ وہ ایام ولیالی   جو واقعہ حسی تھا سو ہے آج خیالی
ہر گوشک و ایوان ہر اک منزل عالی   عبرت سے ہے پُر اور مکینوں سے ہے خالی
آقا نہ خداوند۔ اہالی نہ موالی   جز ذات خدا کوئی نہ وارث ہے نہ والی

یہ جملہ محلات جو سنسان پڑے ہیں
پتھر کا کلیجہ کئے حیران کھڑے ہیں

(اسمٰعیل)

روانی دریا

(۱۱)

وہ سوتھی سخن گوئے شیریں مقال   جو انگریزی شاعر تھا اک باکمال
لکھی اس نے ہے نظم اک لاجواب   دکھائی ہے شکل روانی آب
جو بہتا ہے پانی میان لڈور   اسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور
مناسب جو انگلش مصادر ملے   مقفّٰے کئے ان کے سب سلسلے

یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن   کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن
دکھاؤں روانی دریائے فکر   کہ گوہر شناسوں میں ہو جس کا ذکر
عجب ہے نہیں ان کی اس پر نظر   کجا میں کجا سوتھے نامور
سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں   نہیں سہل اس راہ کی منزلیں
مرے پاس سرمایہ کافی نہیں   وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں
زباں میں نہ وسعت نہ ویسا مذاق   ادھر تو ہے کچھ اور ہی طمطراق
اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط   معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط

موانع یہ ہیں جن سے ڈرتا ہوں میں
مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں

جو تھیں دقتیں کہہ چکا بر ملا   غرض دیکھئے اب یہ پانی چلا
اچھلتا ہوا اور ابلتا ہوا   اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
روانی میں اک شور کرتا ہوا   رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا

پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہُوا — چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہُوا
وہ پہلوئے ساحل دباتا ہُوا — یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہُوا
پھٹکتا ہُوا غل مچاتا ہُوا — وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہُوا
وہ گاتا ہُوا اور بجاتا ہُوا — یہ لہروں کو پیہم نچاتا ہُوا
اُدھر جھومتا اور مٹکتا ہُوا — اِدھر گھومتا اور اٹکتا ہُوا
بپھرتا ہُوا جوش کھاتا ہُوا — بگڑ کر وہ کف منہ پہ لاتا ہُوا
وہ اونچے سروں میں تموج کا راگ — وہ خود جوش میں آکے لانا یہ جھاگ
سُدھرتا ہُوا اور سنورتا ہُوا — تھرکتا ہُوا رقص کرتا ہُوا
لپٹتا ہُوا اور جھپٹتا ہُوا — یہ پھٹتا ہُوا وہ سمٹتا ہُوا
یہ گھٹتا ہُوا اور وہ بڑھتا ہُوا — اُترتا ہُوا اور چڑھتا ہُوا
یہ ہٹتا ہُوا اور بچپتا ہُوا — دباتا ہُوا اور لچکتا ہُوا
وہ روئے زمیں کو چھپاتا ہُوا — وہ خاکی کو سیمیں بناتا ہُوا
گل و خار یکساں سمجھتا ہُوا — ہر اک سے برابر الجھتا ہُوا
بہاتا ہُوا اور بہتا ہُوا — ہَوا کے طمانچوں کو سہتا ہُوا
بلندی سے گرتا گراتا ہُوا — نشیبوں میں بھرتا بھراتا ہُوا
اُچھلتا ہُوا اور اڑاتا ہُوا — اٹکتا ہُوا اور مڑتا ہُوا
وہ کھیتوں میں راہیں کترتا ہُوا — زمینوں کو شاداب کرتا ہُوا
یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہُوا — وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہُوا
یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہُوا — وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہُوا
لپکتا ہُوا دندناتا ہُوا — اُمنڈتا ہُوا سنسناتا ہُوا
چمکتا ہُوا اور جھلکتا ہُوا — سنبھلتا ہُوا اور چھلکتا ہُوا
ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہُوا — حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہُوا
تڑپتا ہُوا جگمگاتا ہُوا — شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہُوا
یونہی الغرض ہے یہ پانی رواں — بس اب دیکھ لیں شاعرِ نکتہ داں

وہ سعدی کا سیلابِ آبِ لہور

یہ بحرِ خیالاتِ اکبر کا زور

اکبرؔ

بندھیاچل کی چاندنی رات

(۱۲)

چاندنی رات اور بندھیاچل کا جنگل پُرفضا
ملوے کی شب کہ گرما میں بھی سرد اُسکی ہوا

چاندنی کا صاف ستھرا فرش صحنِ کوہ پر
سایۂ اشجار سے چھٹکے ہوئے اُس پر شجر

چاندنی کے پھول روشن چاندنی کے نور سے
چاندنی ایسی کہ تم پتّوں کو گن لو دور سے

گر رہا ہے کوہ پر جھرنوں سے پانی جا بجا
دے رہی ہے لطف نہروں کی روانی جا بجا

چاندنی کے نور سے شفاف نہروں کی چمک
چاند کے پرتو سے ان نہروں میں لہروں کی چمک

برگ برگِ نخل کو جنبش میں لاتی ہے ہوا
ڈالیوں کو دے کے جھٹکے پھل گراتی ہے ہوا

پھول پھل سب ہل رہے ہیں وجد میں آئے ہوئے
پیڑ جتنے ہیں کھڑے ہیں ہاتھ پھیلائے ہوئے

سبز سبزہ جا بجا ہے۔ لال لالہ جا بجا
ان سے بہتر بھی عیاں ہے کالا کالا جا بجا

جا بجا پھولوں کے غنچے جا بجا بیلوں کے جال
جا بجا کھولے ہیں برگد کی جٹائیں اپنے بال

وہ پپیہے کی صدا جو کہہ رہا ہے "پی کہاں"
کوئل اب بولی۔ خدا جانے یہ اب تک تھی کہاں

ہاں میں سمجھا۔ ہوگی یہ آموں کے باغوں میں کہیں
اِس دم آ نکلی مگر جنگل سے لطف اسکو نہیں

کوئی نیچی۔ کوئی اونچی۔ ہر پہاڑی مختلف
شکل میں۔ پھیلاؤ میں جھاڑی سے جھاڑی مختلف

شپّر اُڑتے پھرتے ہیں پیڑوں پہ پھل کھاتے ہوئے
جا رہے ہیں زاغ اڑتے اور بل کھاتے ہوئے

وہ ادھر سُرخاب پانی میں پڑے ہیں دیکھنا
وہ کنارے پر تنے سارس کھڑے ہیں دیکھنا

گونج اٹھتا ہے پہاڑ ان سارسوں کے شور سے
تھوڑی تھوڑی دیر میں بول اٹھتے ہیں کس زور سے

جانور جنگل میں آتے ہیں نظر پھرتے ہوئے
پہنچے کھانے کو ثمر دیکھے جہاں گرتے ہوئے

پیتے ہیں چشموں کا پانی لیکن اندیشہ کے ساتھ
خوف ہے اُن کو کہیں پڑ جائیں نہ یہ شیروں کے ہاتھ

ہیں ستارے تو بہت لیکن درخشاں چند ہیں
چاندنی کے نور کی چادر میں پنہاں چند ہیں

نیلگوں رنگِ سما اس پر ستارے جلوہ گر
جیسے آئیں بلبلے جمنا کے پانی پہ نظر

چاند پھرتا ہے زمیں کے گرد کس انداز سے
کوئی خوش رو جس طرح ٹہلے ادا سے ناز سے

ہے زمیں سے اُنس اسے گو فاصلے پر ہٹ گیا
یہ زمیں کے دل کا ٹکڑا ہی تو ہے جو کٹ گیا

کون گھر جائے بھلا منہ اس ہوا سے موڑ کر
میں نہیں جانے کا شوق ایسی فضا کو چھوڑ کر

(شوقؔ قدوائی)

یادِ ویرانہ

(۱۳)

پڑا ہے آج جو یہ بے مکیں ویرانہ
بنا دیا ہے جسے بیکسی نے غم خانہ

کسی زمانہ میں عیش و طرب کا یہ گھر تھا
چہل پہل تھی غضب کی غضب کا یہ گھر تھا

اگرچہ اب نہ رہا بام و در کا وہ نقشہ
مگر مجھے نہیں بھولا ہے گھر کا وہ نقشہ

یہاں تھا صحن وہاں سائباں دھر الاں
ادھر کو آہ تھی اک کوٹھری رفیع الشان

ادھر کو وہ مری خلوت تھی آہ خوش منظر
پرانے تاڑ یہ آتے تھے جس جگہ سے نظر

میں گرمیوں میں یہاں آہ شام کو اکثر
تھا لیٹتا کبھی ہلکی سی اک مسہری پر

وہ چھوٹی چھوٹی چڑیوں کا کنگنی پہ تیری ادوا
چہک چہک کے ہم آہنگیوں سے گانا ملار

وہ لاڈلی میری بچپن کی فاختہ ہی کدھر
تھا آشیانہ کبھی آہ جس کا کوٹھے پر

غضب کی درد بھری جس کی تھی کبھی "کوکو"
تھی دوپہر کو جو سرگرم نالۂ "یا ہو"

گذر گئی ہو نہ جی سے اجل نصیب کہیں
کہ اب نظر نہیں آتی مجھے غریب کہیں

میں کاش اس کے پر و بال کا نشاں پاتا
تو پاس رکھ کے دلِ غمزدہ کو بہلاتا

کدھر ہے آہ وہ عہدِ گزشتہ اے دیوار
گزر گئے مرے طفلی کے کیا وہ لیل و نہار

وہ کم سنی کا زمانہ نہ آئے گا پھر کیا
وہ دن نہ مجھ کو زمانہ دکھائیگا پھر کیا

ملے ملتے مجھ کو جو طفلی کے آہ دن دو چار
وہ گزرے گود میں تیرے ہی آ مری غمخوار

تجھی نے مجھ کو سکھائے خرام کے انداز
تجھی نے مجھ کو بتائے خرام کے انداز

وہ چھوڑ دینا لڑکپن میں مجھ کو دایہ کا
ترے سہارے سے چلنا وہ سیکھنا میرا

وفا کے سلسلے وہ پیمان یاد ہیں تیرے
مربیہ! ہے مجھے احسان یاد ہیں تیرے

مچل کے جب کسی شے پر میں روٹھ جاتا تھا — کسی کی گود میں جب آہ میں نہ آتا تھا
تو تجھ سے لگ کے میں ہمسایا تھا کھڑا دیوار — ملا کے تجھ سے میں روتا تھا غم زدہ رخسار
اداس دیکھ کے مجھ کو گلے سے چپٹا کر — لگا کے سینے سے۔ آنسو تھی پونچھتی اکثر
نہیں ہوں آہ لڑکپن کی وہ ادا بھولا — میں جب بڑا ہوا اور گیند کھیلنا سیکھا
مرے رفیق نہ جب کھیلنے کو آتے تھے — نکل کے گھر سے کہیں باہر میں نہ جاتے تھے
برستی ہوتی تھی جب گھر میں مینہ کی بوچھار — تو کھیلتا تھا میں اسوقت تجھ سے اے دیوار

تجھے میں گیند تھا دیتا مجھے تو دیتی تھی
بلائیں دور سے ہو کر نثار لیتی تھی

بجا ہے آہ یہ میرا خیال کیا دیوار — کہ تو مجھے بھی نہ بھولی ہو اے مری غم خوار
مگر یقیں مرے دل کو آہ کیونکر ہو — کہ میری یاد ابھی نقش تیرے دل پر ہو
خدا کرے مجھے اے کاش تو نہ بھولی ہو — مجھے بھی آہ تری آرزو نہ بھولی ہو
اگرچہ دور رہا تجھ سے میں فراق نصیب — اگرچہ سائے سے تیرے بچھڑ گیا میں غریب
گزر گئے تری فرقت میں آہ کتنے سال — رہا میں وادیِ غربت میں آہ کتنے سال
میں گو رہینِ ستم ہائے روزگار رہا — ترے خیال سے غافل نہ زینہار رہا
زمانہ یاد لڑکپن کا جب کبھی آیا۔ — ترا خیال وہیں بن کے بیکسی آیا
تھا اتفاق کہ تیرے قریب آ نکلا — ادھر کو بھول کے میں غم نصیب آ نکلا
نصیب پھر ترا دیدار دیکھیئے کب ہو — ادھر کو عزم دلِ زار دیکھیئے کب ہو

جدا میں ہوتا ہوں تجھ سے ترا خدا حافظ
نکلتی ہے مرے دل سے دعا خدا حافظ

بچپن کی یاد

تیرے ایاغ کا ہوں میں جرعہ خوار بچپن — باقی ہے تیری مے کا اب تک خمار بچپن
تیرے فراق میں ہوں۔ میں بے قرار بچپن — کرلوں گلے لگا کر آ! تجھ کو پیار بچپن

کیوں مجھ سے روٹھ بیٹھا تیرے نثار بچپن

پھر خاک کا گھروندا آنگن میں میں بناؤں　　چھوٹی سی اپنی کشتی پانی میں پھر بہاؤں
طفلی کے پیارے پیارے معصوم گیت گاؤں　　پھر بانسری بجاؤں پھر جھنجھنا بجاؤں
دو دن کو اسے جوانی! دیدے اُدھار بچپن

وہ عہد بیخودی بھی پروردگار! کیا تھا　　حسرت کی جب نظر سے ہر شئے کو دیکھتا تھا
نیچر کا جو نظارا تھا۔ آرزو فزا تھا　　قوس قزح کے پیچھے میں دن کو دوڑتا تھا
پھر تم تھا شب کو میں اشکبار بچپن

تو آئے ہائے طفلی جا کر کہاں یہ ممکن　　اور میرے ساتھ کھیلیں میرے رفیق کم سن
تیرا خیال پھر بھی تسکیں فزا ہے لیکن　　گلیوں میں دوڑتا تھا کس لطف کے تھے وہ دن
گھوڑے پہ اپنے ہو کر جب میں سوار بچپن

تو نے کیے جوانی! طفلی کے کیا کھلونے　　وہ میرے ننھے ننھے تسکیں فزا کھلونے
میں جن سے کھیلتا تھا وہ دلربا کھلونے　　لا دے کہیں سے مجھکو وہ خوشنما کھلونے
ان پیاری مورتوں کو ہوں بیقرار بچپن

پیارا تھا باپ کا میں اور ماں کا لاڈلا تھا　　گھر بھر میں پھول گویا میں اک گلاب کا تھا
صورت بھی دلربا تھی چہرہ بھی خوشنما تھا　　وہ ننھے ننھے تلوے وہ اُبھرا اُبھرا ماتھا
بھولے نہیں وہ تیرے نقش و نگار بچپن

منت کی وہ گلے میں چھوٹی سی آہ ہیکل　　کانوں میں ہلکے ہلکے وہ موتیوں کے کُنڈل
وہ لمبے لمبے گیسو لٹکے ہوئے مُسلسل　　وہ سُرخ سُرخ غازہ بہتا ہوا وہ کاجل
وہ ہائے تیرا جوبن اور وہ سنگھار بچپن

کیچڑ میں وہ پھسل کر گلیوں میں لوٹ جانا　　اور میرے ہم سنوں کا وہ قہقہے لگانا
شانہ پکڑ کے میرا آہستہ پھر اُٹھانا　　لت پت وہ گھر کو آنا وہ ماں کا مُسکرانا
کرتا نیا بدل کر کرنا وہ پیار بچپن

آ! عمر رفتہ آ کر مجھ کو گلے لگا لے　　آ! اے شباب! میری طفلی کے ناز اُٹھا لے
عمر رواں نے مجھ کو کس کے کیا حوالے　　پایا نشاں نہ تیرا۔ او چھپ کے جانے والے
کھویا گیا کہاں تو۔ تیرے نثار بچپن

کوئل کی آہ! کوکو وقت سحر وہی ہے — نالوں میں بلبلوں کے اب بھی اثر وہی ہے
تیرا بھی او پپیہے سوزِ جگر وہی ہے — سورج وہی ہے دن کو شب کو قمر وہی ہے
تیرے مگر کہاں وہ لیل و نہار بچپن

تو نے چرا لیا ہے بچپن میرا جوانی — تیری طرف سے ظالم ہے مجھ کو بدگمانی
اک تیرے دم سے طفلی تھا لطفِ زندگانی — میں غمزدہ سناؤں غم کی کسے کہانی
تو ہی نہیں رہا جب او غمگسار بچپن

داغوں سے میں سجاتا چھوٹی سی تیری خلوت — نالوں کو ساتھ لے کر کرتا طواف تربت
مجھ غمزدہ کی لیکن ایسی کہاں تھی قسمت — چلتا جو میرا قابو تو آہ! وقتِ رحلت
پہلو میں میں بناتا تیرا مزار بچپن

دایہ کی دوش۔ ماں کی آغوش سے جدا ہوں — سڑکوں پہ خاک اڑاتا گلیوں میں لوٹتا ہوں
طفلی کی آرزوؤ! تم سے بچھڑ گیا ہوں — ان پیاری لوریوں کو کب سے ترس رہا ہوں
لے لے شباب دے دے پروردگار بچپن

مرغابی

ڈھل گیا دن۔ اور شبنم سے زمیں پر قطرہ ریز — گوشۂ مغرب ہیں گلگوں ہے شفق سے آسماں
پڑ رہی ہیں دور تک سورج کی کرنیں زرد زرد — جا رہی ہے تو اکیلی شام کو اڑتی کہاں

دیکھتا ہے کیوں عبث صیاد سوئے آسماں — یاس کی نظروں سے تیری شوکتِ پرواز کو
ارغواں زارِ فلک کے منظرِ خوش رنگ نے — کر دیا ہے اور دلکش تیرے نقشِ ناز کو

ڈھونڈتی پھرتی ہے کیا کوئی سہانا آبشار — یا کہ سرگرمِ تلاشِ دامنِ دریا ہے تو
یا کسی بحرِ تموج خیز کی ہے جستجو — یوں سکوتِ شام میں کیوں آسماں پیما ہے تو

تو جو بے سنگِ نشاں جادہ و بے مرحلہ — کر رہی ہے آسماں پر قطع طبقات ہوا
اڑ سکے بے بدرقہ تو۔ یہ کہاں تیری مجال — کوئی طاقت ہے مگر تیری مقرر رہنما

اے سُبک پرواز! تیری سُرعتِ پرواز نے ۔۔۔ طے کیے کتنے ہی دن بھر سو طبقاتِ نسیم
ہو کے واماندہ زمیں پہ گر نہ شہپر جوڑ کر ۔۔۔ شب کی ظلمت کا ہے گرچہ سر پہ طوفانِ عظیم

ہو چکی تیری مشقت ختم تجھ کو عنقریب ۔۔۔ گرمیوں کا اک سہانا گھر ملے گا خوشگوار
گاتی ہوگی چھوٹی چڑیوں میں ہم آہنگی سے تو ۔۔۔ اور نشیمن پر ترے ہوگی گُلستاں کی بہار

ہوگئی غائب فضائے آسماں میں گرچہ تو ۔۔۔ اور اب آنکھوں میں ہے تیرا تصوّر یادگار
میں نے سیکھا ہے سبق لیکن تیری پرواز سے ۔۔۔ ہے طریقِ زندگی میں تو مری آموزگار

منطقہ سے منطقہ تک لے سبک پروازِ شوق ۔۔۔ وسعتِ اوجِ فلک پر ہے جو تیرا راہبر
مجھ کو بھی لے جائیگا وہ منزلِ مقصود تک ۔۔۔ جب کروں گا جادۂ ہستی سے میں تنہا سفر

کوئل

او چمن کی اجنبی چڑیا! کہاں تھی آہ تو ۔۔۔ کیا کسی صحرا کے دامن میں نہاں تھی! آہ تو
تیرے دلکش زمزمے سنتے سبزہ زار تھیں خموش ۔۔۔ آشیانہ تھا ترا گلشن میں بزم بے خروش

کھینچتی وقتِ سحر دل کو تری کوکو نہ تھی ۔۔۔ چھاؤں میں تاروں کی محوِ نغمۂ دل جو نہ تھی
موسمِ سرما میں اے سرمایۂ صبر و شکیب ۔۔۔ بے صدا تیرا پسِ پردہ تھا سازِ دلفریب

مرحبا اے پیکرِ پیکِ سُبک گامِ بہار ۔۔۔ لے کے پھر تو گرمیوں میں آئی پیغامِ بہار
تو ادھر آئی فضائے گُل کا دور آیا اُدھر ۔۔۔ تو نے گائے گیت اور آموں پہ بور آیا ادھر

طائرانِ باغ نے چھیڑا ہے سازِ انبساط ۔۔۔ تیرے مقدم میں ہیں شاخوں پر ہم آہنگِ نشاط
پہنی ننھی ننھی کلیوں نے قبائے شبنمیں ۔۔۔ آ رہی ہے کان میں تیری صدائے دلنشیں

کوئی انجم آسماں کا او سبک پرواز شوق | رہنما ہے کیا ترا - دلدادۂ اندازِ شوق
تو جو آنے والے موسم کا نشاں پاتی ہوئی | اپنی منزل پہ پہنچ جاتی ہے یوں گاتی ہوئی

تیرے مقدم میں شکیب خاطرِ ناشاد میں | موسمِ گل کو بھی دیتا ہوں مبارک باد میں
تو چمن میں اڑ کے کیا آئی کہ آپہنچی بہار | گا رہی ہیں چھوٹی چڑیاں سبز کنجوں میں ہزار

سوبنِ رنگین میں اک دوشیزۂ نا کتخدا | چن رہی ہے ننھی ننھی سرخ کلیاں خوشنما
اور تجھ سے ہم سرودِ نغمۂ اعجاز ہے | بزمِ قدرت میں تیری گویا شریکِ ساز ہے

میٹھے نغمے گانے والی او چمن کی نازنیں | ہے ترو تازہ ہمیشہ تیرا کنج دل نشیں
اور مصفا ہے فضائے آسماں تیری لئے | ہے شفق جامِ شرابِ ارغواں تیرے لئے

تیرے نغموں میں اثر اندوہ وحرماں کا نہیں | سال میں تیرے گذر فصلِ زمستاں کا نہیں
مجھ کو قسامِ ازل دیتا اگر دو بال و پر | اڑ کے ہوتا میں بھی تیرے ساتھ سرگرمِ سفر

بن کے ہم دونوں رفیقِ موسمِ جوشِ بہار
کرتے خوش خوش ہر برس گلگشت دشت و کہسار

سرور جہاں آبادی

محبت

(۱۴۱)

عروسِ شب کی زلفیں تھیں ابھی ناآشنا خم سے | ستارے آسماں کے بیخبر تھے لذتِ رم سے
قمر اپنے لباسِ نو میں بیگانہ سا لگتا تھا | نہ تھا واقف ابھی گردش کے آئینِ مسلم سے
ابھی امکاں کے ظلمت خانے سے ابھری ہی تھی دنیا | مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہنائے عالم سے

کمالِ نظمِ ہستی کی ابھی تھی ابتدا گویا
ہویدا تھی نگینے کی تمنا چشمِ خاتم سے

سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کیمیا گر تھا
صفا تھی جس کی خاکِ پا میں بڑھ کر ساغرِ جم سے

لکھا تھا عرش کے پائے پہ اک اکسیر کا نسخہ
چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روحِ آدم سے

نگاہیں تاک میں رہتی تھیں لیکن کیمیا گر کی
وہ اس نسخے کو بڑھ کر جانتا تھا اسمِ اعظم سے

بڑھا تسبیح خوانی کے بہانے عرش کی جانب
تمنائے دلی آخر بر آئی سعیِ پیہم سے

پھرایا فکرِ اجزا نے اسے میدانِ امکاں میں
چھپے گی کیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے

چمک تارے سے مانگی چاند سے داغِ جگر مانگا
اڑائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے

تڑپ بجلی سے پائی حور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفسہائے مسیحِ ابنِ مریم سے

ذرا سی پھر ربوبیت سے شانِ بے نیازی لی
ملک سے عاجزی، افتادگی تقدیرِ شبنم سے

پھر ان اجزا کو گھولا چشمۂ حیواں کے پانی میں
مرکب نے محبت نام پایا عرشِ اعظم سے

مہوس نے یہ پانی ہستیِ نوخیز پر چھڑکا
گرہ کھولی ہنر نے اس کے گویا کارِ عالم سے

ہوئی جنبش عیاں ذروں نے لطفِ خواب کو چھوڑا
گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہمدم سے

خرامِ ناز پایا آفتابوں نے، ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پائی، داغ پائے لالہ زاروں نے

صبح کا ستارہ

لطفِ ہمسائگیِ شمس و قمر کو چھوڑوں
اور اس خدمتِ پیغامِ سحر کو چھوڑوں

میرے حق میں تو نہیں تاروں کی بستی اچھی
اس بلندی سے زمیں والوں کی پستی اچھی

آسماں کیا، عدم آباد وطن ہے میرا
صبح کا دامنِ صد چاک کفن ہے میرا

میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
ساقیِ موت کے ہاتھوں سے صبوحی پینا

نہ یہ خدمت نہ یہ عزت نہ یہ رفعت اچھی
اس گھڑی بھر کے چمکنے سے تو ظلمت اچھی

میری قسمت میں جو ہوتا تو نہ اختر بنتا
قعرِ دریا میں چمکتا ہوا گوہر بنتا

واں بھی موجوں کی کشاکش سے جو دل گھبراتا
چھوڑ کر بحر کہیں زیبِ گلو ہو جاتا

ہے چمکنے میں مزا حسن کا زیور بن کر
زینتِ تاجِ سرِ بانوئے قیصر بن کر

ایک پتھر کے جو ٹکڑے کا نصیبا جاگا
خاتمِ دستِ سلیماں کا نگیں بن کے رہا

ایسی چیزوں کا مگر دہر میں ہے کام شکست
ہے گہر ہائے گراں مایہ کا انجام شکست

زندگی وہ ہے کہ جو ہو نہ شناسائے اجل
کیا وہ جینا ہے کہ ہو جس میں تقاضائے اجل

ہے یہ انجام اگر زینتِ عالم ہو کر
کیوں نہ گر جاؤں کسی پھول پہ شبنم ہو کر؟

کسی پیشانی کے افشاں کے ستاروں میں ہوں
کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں ہوں

اشک بن کر سرِ مژگاں سے اٹک جاؤں میں
کیوں نہ اس بیوی کی آنکھوں سے ٹپک جاؤں میں

جس کا شوہر ہو رواں ہو کے زرہ میں مستور
سوئے میدانِ وغا حبِّ وطن سے مجبور

یاس و امید کا نظارہ جو دکھلاتی ہو
جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرماتی ہو

جس کو شوہر کی رضا تابِ شکیبائی دے
اور نگاہوں کو حیا طاقتِ گویائی دے

زرد، رخصت کی گھڑی عارضِ گلگوں ہو جائے
کششِ حسن غمِ ہجر سے افزوں ہو جائے

لاکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں
ساغرِ دیدۂ پرنم سے چھلک ہی جاؤں

خاک میں مل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں
عشق کا سوز زمانے کو دکھاتا جاؤں

گورستانِ شاہی

آسماں بادل کا پہنے خرقۂ دیرینہ ہے
کچھ مکدر سا جبینِ ماہ کا آئینہ ہے

چاندنی پھیکی ہے اس نظارۂ خاموش میں
صبحِ صادق سو رہی ہے رات کی آغوش میں

کس قدر اشجار کی حیرت فزا ہے خامشی
بربطِ قدرت کی دھیمی سی نوا ہے خامشی

باطنِ ہر ذرۂ عالم سراپا درد ہے
اور خاموشی لبِ ہستی پہ آہِ سرد ہے

آہ! جولاں گاہِ عالمگیر یعنی وہ حصار
دوش پر اپنے اٹھائے سینکڑوں صدیوں کا بار

زندگی سے تھا کبھی معمور، اب سنسان ہے
یہ خموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

اپنے سکانِ کہن کی خاک کا دلدادہ ہے
کوہ کے سر پر مثالِ پاسباں استادہ ہے

خوابگہ شاہوں کی ہے یہ منزلِ حسرت فزا
دیدۂ عبرت! خراجِ اشکِ گلگوں کر ادا

ہے تو گورستاں، مگر یہ خاک گردوں پایہ ہے
آہ! اک برگشتہ قسمت قوم کا سرمایہ ہے

مقبروں کی شانِ حیرت آفریں ہے اس قدر
جنبشِ مژگاں سے ہے چشمِ تماشا کو حذر

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں
جو اتر سکتی نہیں آئینۂ تحریر میں

سوتے ہیں خاموش، آبادی کے ہنگاموں سے دور
مضطرب رکھتی تھی جن کو آرزوئے ناصبور

قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک
جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جبیں گستر فلک

کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مآل
جن کی تدبیرِ جہانبانی سے ڈرتا تھا زوال

رعبِ فغفوری ہو دنیا میں کہ شانِ قیصری
ٹل نہیں سکتی غنیمِ موت کی یورش کبھی

بادشاہوں کی بھی کشتِ عمر کا حاصل ہے گور
جادۂ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور

شورشِ بزمِ طرب کیا! عود کی تقریر کیا!
دردمندانِ جہاں کا نالۂ شبگیر کیا!

عرصۂ پیکار میں ہنگامۂ شمشیر کیا!
خون کو گرمانے والا نعرۂ تکبیر کیا!

اب کوئی آواز سوتوں کو جگا سکتی نہیں
سینۂ ویراں میں جانِ رفتہ آ سکتی نہیں

سلسلہ ہستی کا ہے اک بحرِ ناپیدا کنار
اور اس دریائے بے پایاں کی موجیں ہیں مزار

اے ہوس! خوں رو کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار
یہ شرارے کا تبسم، یہ خسِ آتش سوار

چاند، جو صورت گرِ ہستی کا اک اعجاز ہے
پہنے سیمابی قبا محوِ خرامِ ناز ہے

چرخِ بے انجم کی دہشتناک وسعت میں مگر
بیکسی اس کی کوئی دیکھے ذرا وقتِ سحر

اک ذرا سا ابر کا ٹکڑا ہے، جو مہتاب تھا
آخری آنسو ٹپک جانے میں ہو جس کی فنا

زندگی اقوام کی بھی ہے یونہی بے اعتبار
رنگہائے رفتہ کی تصویر ہے ان کی بہار

اس زیاں خانے میں کوئی ملتِ گردوں وقار
رہ نہیں سکتی ابد تک بار دوشِ روزگار

اِس قدر قوموں کی بربادی سے ہے خوگر جہاں
دیکھتا بے اعتنائی سے ہے یہ منظر جہاں

ایک صورت پر نہیں رہتا کسی شے کو قرار
ذوقِ جدّت سے ہے ترکیبِ مزاجِ روزگار

ہے نگینِ دہر کی زینت ہمیشہ نامِ نو
مادرِ گیتی رہی آبستنِ اقوامِ نو

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ رہگذر
چشمِ کوہِ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجور

مصر و بابل مٹ گئے باقی نشاں تک بھی نہیں
دفترِ ہستی میں ان کی داستاں تک بھی نہیں

آ دبایا مہرِ ایراں کو اجل کی شام نے
عظمتِ یونان و روما لوٹ لی ایام نے

آہ! مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا
آسماں سے ابرِ آذاری اٹھا، برسا، گیا

دل ہمارے یادِ عہدِ رفتہ سے خالی نہیں
اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں

اشکباری کے بہانے ہیں یہ اجڑے بام و در
گریۂ پیہم سے بینا ہے ہماری چشمِ تر

دہر کو دیتے ہیں موتی دیدۂ گریاں کے ہم
آخری بادل ہیں اک گذرے ہوئے طوفاں کے ہم

ہیں ابھی صد ہا گہر اس ابر کی آغوش میں
برق ابھی باقی ہے اس کے سینۂ خاموش میں

وادیٔ گل خاکِ صحرا کو بنا سکتا ہے یہ
خواب سے امیدِ دہقاں کو جگا سکتا ہے یہ

ہو چکا گو قوم کی شانِ جلالی کا ظہور
ہے مگر باقی ابھی شانِ جمالی کا ظہور

(اقبالؔ)

چاند

(۱۵)

اے پھرنے والے دشتِ غربت میں آسماں کے
اے راہ نوردِ یوسفِ انجم کے کارواں کے

اے رات کے مسافر بے زادِ راہ و ساماں
کس منہ سے اپنے گھر ہم تجھ کو بلائیں مہماں

گھر کیسا! آہ گھر بھی تو یاں نہیں کوئی ہے
ہر شے میں غیریت ہے ہر چیز اجنبی ہے

لیکن نہیں بٹانے کو تیرا ہاتھ میں ہوں
چل جس طرف کو چلنا ہے تیرے ساتھ میں ہوں

اس دیس میں ہوا ہوں اگر تباہ میں بھی
تیری طرح چلا ہوں بے زادِ راہ میں بھی

پھرتا ہوں زندگانی کے توسنِ رواں پر　　اک پاؤں ہے زمیں پر اور ایک آسماں پر
گھیرے ہوئے مجھے بھی تاریکیٔ محن ہے　　تیری طرح سے میرے بھی واسطے گہن ہے

یعنی ہوں گاہ روشن اور گاہ ماند میں ہوں
بس ایک چاند تو ہے اور ایک چاند میں ہوں

اے چاند حال میرا تجھ سے چھپا نہیں ہے　　تو اور میں ہوں کوئی اب دوسرا نہیں ہے
سن کان دھر کے اپنی بیتی تجھے سناؤں　　میرا تو حال یہ ہے میں تجھ سے کیا چھپاؤں
طوفاں کا جیسے مارا ساحل کو ڈھونڈتا ہو　　یا وہ تھکا ہوا جو منزل کو ڈھونڈتا ہو
صدیاں گذر گئی ہیں مجھ کو تلاش کرتے　　خالق کو اور اس کے اسرار فاش کرتے
جانچی ہیں میں نے برسوں خورشید کی شعاعیں　　ذرّوں پہ میں نے برسوں دوڑائی ہیں نگاہیں
تہ تک سمندروں میں غوطے لگا گیا ہوں　　پتال تک زمیں کے اندر چلا گیا ہوں
چمکا کبھی افق پر خورشید شرق بنکر　　تڑپا کبھی فضائے عالم میں برق بن کر
تحقیق اور تجسس کے دام میں پھنسا ہوں　　وسواس میں گھرا ہوں اوہام میں پھنسا ہوں
گرتے ہیں جب کہ بھونرے پھولوں کے جامِ مل پر　　جب بلبلیں مچاتی ہیں شور شاخِ گل پر
باز آیا علم و فن کی میں ایسی روشنی سے　　گذرا میں ایسے جینے اور ایسی جانکنی سے
اے لذتوں کے پھندو تم میری جان چھوڑو　　اے حوصلو مجھے تم کوئی تو آن چھوڑو
اے علم میں فضیلت سے تیری باز آیا　　اے عقل میں ہدایت سے تیری باز آیا
روز اک نہ اک بکھیڑا تو نے لگا دیا ہے　　جب تو نے رائے دی ہے مجھکو پھنسا دیا ہے
اے عشق جان تجھ سے اپنی بچا رہا ہوں　　اے شوق تجھ سے پیچھا اپنا چھڑا رہا ہوں
بس اے امید تو نے مجھ کو بہت تھکایا　　اے آرزو کے پودو کچھ تم سے پھل نہ پایا
اے جذبِ حسن اور اے جوشِ شباب رخصت　　اے ذوق و شوق عشق خانہ خراب رخصت
بس اے عروسِ دنیا اب میں الگ رہونگا　　اب اے بہشت تجھ کو میں لے کے کیا کرونگا
اے چاند دو بجے ہیں اور میں بھی تھک گیا ہوں　　یہ نیند کا نشہ ہے جو کچھ بہک گیا ہوں
غمنامہ سن چکا تو میرا مری زبانی　　زنہار تو کسی سے کہنا نہ یہ کہانی
تو شورشِ جہاں میں مہرِ سکوتِ شب ہے　　لوحِ طلسم ہے تو ٹوٹا تو بس غضب ہے
ہیں سربمہر قدرت کے راز تیرے سر میں　　اس میکدے کی کنجی ہے تیری ہی کمر میں

پروانہ میں ازل سے تیرے چراغ کا ہوں   بچپن سے جرعہ کش میں تیرے ایاغ کا ہوں
اے جام خواب راحت میرے قریب آجا   آنکھوں میں میری ملجا دل میں میرے سما جا
یہ تھوڑی رات جو ہے کٹ جائے مجھکو سوتے   اور تازہ دم میں اُٹھوں ایسا کہ صبح ہوتے
رکھ دوں طلسم بحر ظلمت کو توڑ کر میں
موتی کی طرح نکلوں دامن نچوڑ کر میں

اُمید

زندگی کیا ہے بس اک دور تسلسل کا ہے نام   یہ اُمیدوں کی سحر اور آہ یہ حرمان کی شام
اک سمندر کا سفر ہے ہم کو اس دن رات میں   تیرتی جاتی ہے کشتی نور اور ظلمات میں
ہٹ گیا پھر ابر اور پھر سایہ افگن ہو گیا   پھر اندھیری چھا گئی پھر روز روشن ہو گیا
اے امید اے غم غلط کن!! اے مسرت آفریں   اے متاع زندگی! اے مایۂ جان حزیں!!
اے شعاع رہنمائے کشتی بحر وجود!!!   کس قدر ہے قوت افزا دور سے تیری نمود
آہ! کیا جانے کہاں بیریاس لیجاتی مجھے   راستہ گر روشنی تیری نہ دکھلاتی مجھے
تیرا نظارہ مجھے عمبر دوبارا ہو گیا   ڈوبتے کو ایک تنکے کا سہارا ہو گیا
آہ وہ بیرحم موجیں جو ابھی خونخوار تھیں   اور گلا ہی گھونٹ دینے کو مرا تیار تھیں
بیکسی پر میری وہ کچھ اسطرح سے رو گئیں   خوف کی گہری سیاہی میرے دل سے دھو گئیں
پھر انہیں موجوں نے میرے منہ پہ جو چھینٹے دیئے   کھُل گئیں آنکھیں غشی سے اور ہوش آیا مجھے
دیکھتا کیا ہوں کہ میں مقصود کی منزل پہ ہوں   سامنے ہے بحر مواج اور میں ساحل پہ ہوں
یعنے جتنا ابر غم گھیرے ہوئے اطراف تھا   تیرا اک دیدار اور طوفان سے مطلع صاف تھا
دل سے میرے محو دیرینہ مصیبت ہو گئی
کچھ خلش باقی رہی تھی وہ بھی لذت ہو گئی

اے مرے آغوش دل میں کھیلنے والی امید   اے ہنسانے اگدگدانے! کھیلنے والی امید
اے مجھے ہمت دلانیوالی معذوری میں بھی   اے مجھے آمادہ کرنیوالی مجبوری میں بھی

اے مجھے ترغیب دینے والی ہراک کام کی! — اے دکھانیوالی صورت سعی نیک انجام کی
مزرعہ دہقاں پہ رحمت کی تراوش تجھسے ہے — روح انسانی کی یعنی آفرینش تجھسے ہے
اُسکے بازو میں تجھی سے قوت پرواز ہے — قالب خاکی میں اسکے تو ہی روح انداز ہے

کشت عصیاں پر ہوا جب تیری رحمت کا نزول
بجھ گئے دوزخ کے شعلے کھل گئے جنت کے پھول

لیکن اے امید! تو اتنا تو بتلا دے مجھے — آنیوالی زندگی دیتی ہے کیوں دھوکے مجھے
کون جانے لے چلے کس راہ پر قسمت مجھے — یعنی دے عزت تجھے یا آہ! دے ذلت مجھے
موتیوں کا نرخ اب بازار میں اچھا نہیں — کوڑیوں کے مول کوئی پوچھنے والا نہیں
لائے جنس بے بہا بھی ہم تو کیا لائے یہاں — اُٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے یہاں
اس ہجوم یاس میں دیتی ہے تو ہمت مجھے — اور کہتی ہے دکھا کر اک درِ دولت مجھے
اپنے گھر کی چار دیواری سے باہر تو نکل — سامنے وہ قدرداں بیٹھے ہیں اُنکے پاس چل
بس یہی تیری ادا ہمکو بہت خوش آئی ہے — تو نے اچھی شکل ہی دکھلائی جب دکھلائی ہے

زین بہارِ روح پرور بلبل دل شاد باد
یارب این معمورۂ امیدِ ما آباد باد

اے مری خون گشتہ امید! اے مری کھوئی ہوئی — اے زمانہ کی اندھیری قبر میں سوئی ہوئی
میری لوح دل پہ کندہ سالِ رحلت ہو ترا — اور ہر آنسو مرا تابوتِ میت ہے ترا
عیش کے تجھ سے کہیں جلسے کہیں ماتم کے ہیں — رونیوالے ہنسنے والے سب ترے ہی دم کے ہیں

خود مرتب ساختی خود درہم و برہم زدی
خود شدی دستان زن و خود سینہ از ماتم زدی

(نادر کاکوروی)

طوفانِ عظیم حیدرآباد دکن

(۱۶)

او ناہنجار ندی تجھ پر غضب خدا کا — اُلٹا ہے تو نے تختہ یارانِ آشنا کا
اچھا کیا ادا حق ہمسائیگی کا تو نے — ہم تجھ سے لَو لگائیں تو نے ہمیں کو تاکا
اک کاروان آصف اُترا ترے کنارے — او ناسپاس تو نے ڈالا اسی پہ ڈاکا
تیری ہر ایک ٹکر داعی بنی اجل کی — تیرا ہر ایک تھپیڑ قاصد بنا قضا کا
منجدھار میں ہے کشتی ٹوٹا ہوا ہے لنگر — سر پر ہے رات کالی طوفان ہے بلا کا
تقدیر ہنس رہی ہے تدبیر رو رہی ہے — مورد ہو نا خدا کیوں الزام نا روا کا
شب ہے شب قیامت دن ہے حساب کا دن — وقت آگیا سزا کا عہد آگیا جزا کا
خالی امید کا گھر دروازہ توبہ کا بند — آئے اثر کہاں سے موقع نہیں دعا کا

اس واقعہ کا ماتم برسوں بپا رہے گا
کانٹا ہر ایک دل میں غم کا چبھا رہے گا

اُمڈی ہوئی ہے ندی چھایا ہوا ہے بادل — پاٹ اس قدر بڑا ہے سب ہو گیا ہے جل تھل
ہے شب نے دن دہاڑے اندھیر ڈال رکھا — خورشیدِ خاوری ہے ابرِ سیہ کے اوجھل
اک بارگی گئے کھل گردوں کے سب دریچے — بادل چلا ہے بن کر طوفان کا ہراول
قدرت کی طاقتوں کو دستِ قضا ہی روکے — انسان کی کوششیں ہیں بیکار اور معطل
غصہ کا ہے یہ عالم کف در دہاں ہے دریا — وقف شکن ہے ابرو ماتھے پہ ہیں پڑے بل
جوش و خروش اس کا ہر لحظہ بڑھ رہا ہے — سہمی ہوئی ہے خلقت ہوش و حواس ہیں شل
ساحل پہ گھر ہیں جنکے وہ دل میں کہہ رہے ہیں — مرنا ہمیں ہے آخر مرنا ہمیں ہے اوّل
پانی ہر اک طرف سے گھیرے ہوئے ہے گھر کو — جاں تلملا رہی ہے دل ہو رہا ہے بے کل
گرنے لگے مکاں جب کہنے لگے مکیں سب — ہے آج کوچ اپنا سامان چلا گیا کل
ہر ہر کھنڈر میں لاشے صدہا پڑے ہوئے ہیں — بلدہ کا ہر محلہ ہے کربلا کا مقتل
واں موجبِ اجل تھی پیاسوں کی تشنہ کامی — یاں باعثِ فنا ہے آبِ بقا کی چھاگل

محشر کا صور پھونکا موسی نے کو بکو ہے
شورِ نشور برپا بلدہ میں کو بکو ہے

وا حسرتا وہ صد ہا گھر بار کا اجڑنا
ہر نخلِ آرزو کی بنیاد کا اکھڑنا

وہ نقشۂ اجل کا آنکھوں کے آگے پھرنا
کوہِ قضا کا سر پر پل بھر میں ٹوٹ پڑنا

دیوار و بام و در کا پانی میں غرق ہونا
سنگیں عمارتوں کا پانی کی طرح جھڑنا

وہ جسمِ بے اماں کا موجوں کی نذر ہونا
وہ جانِ ناتوان کا کشتی قضا سے لڑنا

اس ہاتھ کا نہیں ہو جس میں کہ جان باقی
بہتے ہوئے درختوں کی ٹہنیاں پکڑنا

ماں سے لپٹ لپٹ کر بچے کا وہ بلکنا
اور ضد سے اس کے سینے پر ایڑیاں رگڑنا

بچہ کا ہاتھ آ کر پھر ماں سے چھوٹ جانا
زخمِ جگر کے ٹانکوں کا یک بیک اکھڑنا

سب دل کے ولولوں کا پیوندِ آب ہونا
اک رات کی دلہن کا نوشہ سے یوں بچھڑنا

وہ ڈوبتے ہوؤں کا سب کو سلام کرنا
اور ان کی حسرتوں کا جا کر دلوں میں گڑنا

تھا فتنۂ قیامت اے سیلِ رودِ موسی
مٹ کر ترا مچلنا بن کر ترا بگڑنا

کیوں ساتھ ساتھ اپنے لے کر چلا نہ ہم کو
جو قافلہ چلا ہے سرِ منزلِ عدم کو

(ظفر علی خاں)

جلوۂ سحر

(۱۷)

کیا روح فزا جلوۂ رخسارِ سحر ہے
کشمیرِ دلِ زار ہے فردوسِ نظر ہے

ہر پھول کا چہرہ عرقِ حسن سے تر ہے
ہر چیز میں اک بات ہے ہر شے میں اثر ہے

ہر سمت بھڑکتا ہے رخِ حور کا شعلہ
ہر ذرۂ ناچیز میں ہے طور کا شعلہ

لرزش وہ ستاروں کی وہ ذروں کا تبسم
چشموں کا وہ بہنا کہ فدا جن پہ ترنم

گردوں پہ سپیدی و سیاہی کا تصادم　　طوفان وہ جلووں کا وہ نغموں کا تلاطم
اُڑتے ہوئے گیسو وہ نسیمِ سحری کے
شانوں پہ پریشان ہیں یا بال پری کے

وہ پھیلنا خوشبو کا وہ کلیوں کا چٹکنا　　وہ چاندنی مدھم، وہ سمندر کا جھلکنا
وہ چھاؤں میں تاروں کی گُلِ تر کا مہکنا　　وہ جھومنا سبزہ کا، وہ کھیتوں کا لہکنا
شاخوں سے ملی جاتی ہیں شاخیں وہ اثر ہے
کہتی ہے نسیمِ سحری عہدِ سحر ہے

خنکی وہ بیاباں کی، وہ رنگینیٔ صحرا　　وہ وادیٔ سرسبز وہ تالاب مصفا
پیشانی گردوں پہ وہ ہنستا ہوا تارا　　وہ راستے جنگل میں وہ بہتا ہوا دریا
ہر سمت گلستان میں وہ انبار گُلوں کے
شبنم سے وہ دھوئے ہوئے رخسار گلوں کے

وہ برگِ گُلِ تازہ، وہ شبنم کی لطافت　　اِک حُسن سے وہ خندہ سامانِ حقیقت
وہ جلوۂ اصنام، وہ بتخانہ کی زینت　　زاہد کا وہ منظر وہ برہمن کی صباحت
ناقوس کے سینہ سے صدائیں وہ فغاں کی
وہ حمد میں ڈوبی ہوئی آوازِ اذاں کی

آقا کا غلاموں سے یہ ہے قرب کا ہنگام　　دل ہوتے ہیں سرشارِ فنا ہوتے ہیں آلام
چھا جاتی ہے رحمت، تو برس پڑتے ہیں انعام　　اس وقت کسی طرح مناسب نہیں آرام
رونے میں جو لذت ہے تو آہوں میں مزا ہے
اے روح! "خودی" چھوڑ کہ نزدیک خدا ہے

(جوش)

مُطرب اَور شاعر

(۱۸)

اک شاہراہ پر کوئی مُطرب تھا نَے نواز　　تھی جس کے سوزِ دل سے منوّر صدائے ساز

تھا اُس کی لَے میں کیفِ سُرودِ ازل کا رنگ تھی جلوہ ریز جامِ حقیقت سے مئے مجاز
لیکن فغانِ نَے کو نہ سنتے تھے راہ گیر سب کا مذاقِ نغمہ تھا محرومِ امتیاز
غالب ہُوا تھا ذوقِ نواہائے دردپر شورِ کشاکشِ حسد و بُغض و حرص و آز
مایوس ہو کے مُضطرب دل خستہ چل دیا اندوہ میں چھپائے ہوئے اک جہانِ راز
چھیڑا پہنچ کے دُور اُسی نَے نواز نے سوزِ نفس سے پھر وُہی آہنگِ جاں نواز
آزاد ہو کے شورشِ انبوہِ عام سے گونجی فضا میں نَے کی نوائے جگر گداز

بجلی گری جہاں کے متاعِ ثبات پر
چنگاریاں سی اُڑنے لگیں کائنات پر

شاعر کہ جسکے دم سے ہی ہر دم بہشت گوش خمخانۂ حیات کی گلبانگِ نادنوش
اس کی نگاہ پر ہے عیاں رازِ کائنات اس کے دماغ میں ہے خیالات کا خروش
لیکن پیام اس کا سمجھتا نہیں کوئی سب ہیں ہوا و حرص کی دنیا میں سخت کوش
اس غم سے شیشۂ دلِ شاعر شکستہ ہے میخانۂ خیال کی ہیں شورشیں خموش
صحرائے دل میں یاس کی آہیں سموم خیز دامانِ غم پہ خون کے آنسو چمن فروش
لیکن ذرا زمانہ گزرنے کی دیر ہے ہونے کو ہے کشاکشِ امروز وقفِ دوش
ہو جائیگا جو قلزمِ ماضی میں غرق حال واپس ملیگی بزمِ جہاں کو متاعِ ہوش
اس وقت کہنہ ہوگی مئے صافیٔ سخن ہوگا شرابِ شعر کا ساقی سبو بدوش

نغمہ ہے دلفریب تو بُعدِ مکاں سے ہے
وابستہ کیفِ شعر مُرُورِ زماں سے ہے

ستارۂ سحر

رات جب طولِ شبِ ہجراں مرا غمخوار تھا ساری دنیا سو رہی تھی اور میں بیدار تھا
شب کی تاریکی مصیبت ناک و وحشت خیز تھی محفلِ قدرت کی خاموشی جنوں انگیز تھی
ایک دم فرصت نہ تھی نالوں سے آہِ سرد سے دمبدم پہلو بدلتا تھا و فورِ درد سے
ساعتیں گنتا تھا شب کی پاسداری کے لئے آسماں پر تھی نظر اختر شماری کے لئے

آسماں والوں نے جب افسردہ دل پایا مجھے — دفعتہً اک اخترِ تاباں نظر آیا مجھے
میں نے پوچھا اس سے اے شب زندہ دارِ آسماں — تیری ہستی سے منور ہے دیارِ آسماں
تیرے رُخ کو کیا کہوں اختر کہوں گوہر کہوں — یا جبینِ آسمانِ شرق کا جھومر کہوں
تو فلک کے میکدے کا ساغرِ سرشار ہے — یا صدف میں آسماں کے اک دُرِ شہوار ہے
یا سکوتِ شب میں سُن کر میری آہِ دلفگار — دیدۂ فطرت سے ٹپکا بن کے اشکِ بیقرار
تیرے پیہم جھلملانے سے ہی پیدا اضطراب — تو ہے میری بیقراری سے سراپا اضطراب
قاصدِ راحت ہی پیغامِ الم ہے۔ کیا ہے تو — جام ہے۔ جھومر ہے۔ دُر ہے اشکِ غم ہے کیا ہی تو

سُن کے تارے نے کہا اے بلبلِ باغِ سخن — پست ہے تیرا تخیل بھی جو پستی ہے وطن
اخترِ تابندۂ مشرق ہوں میں گوہر نہیں — دُر نہیں جھومر نہیں آنسو نہیں ساغر نہیں
جس طرح دنیا کی ساری زیب و زینت دین سے ہے — یہ مرا نورِ جبین پابندیٔ آئین سے ہے

میں وداعِ شب کا پیغامِ حیات افروز ہوں — پیشکارِ آفتابِ کائنات افروز ہوں
ٹوٹنے کو ہے ابھی تاریکیٔ شب کا طلسم — ہے نمودِ سیمیائی بزمِ کوکب کا طلسم
محفلِ انجم سوئے مغرب رواں ہونے کو ہے — موکبِ شاہنشہِ مشرق عیاں ہونے کو ہے

عالمِ علوی سے تجھ کو نسبتِ دیرینہ ہے — محشرستانِ محبت خیز تیرا سینہ ہے
غمزدہ کیوں ہے ابھی ہونے کو ہی صبحِ وصال — دُور کر دل سے شبِ ہجراں کا اندوہ و ملال
آمدِ خورشید سے ہوگا مسرّت کا ظہور — پھول باغوں میں کھلیں گے چہچہائیں گے طیور
صبح ہونے کو ہے اب تو بھی صبا رفتار ہو — اے بہارا فروزِ ہستی، زینتِ گلزار ہو

(سالک)

فانوسِ حیات یا زندانِ موجودات

فانوسِ حیات ہے وہ زنداں (۱۹) ہے شمعِ وجود۔ جس میں عریاں

گُل میں ہے ازل سے رنگ محبوس — ہے شعلۂ بُو کا غنچۂ فانوس
پیکر میں بشر کے خوں ہے محصور — ہو چنگ میں جیسے نغمہ مستور
پابندِ سلاسلِ روانی — خود قطروں کی قید میں ہے پانی
صہبا کا قفس بنا ہے مینا — ہیں بجلیاں رز کی صیدِ صہبا
ہے دُرج صدف میں قید، گوہر — شعلہ ہے اسیرِ دامِ اخگر
کہسار۔ وہ ہمجلیسِ دوراں — وادی میں کھڑے ہیں پا بجولاں
اک دام ہے خامشی سراسر — ہے مرغ کلام جس میں مضطر
ظلمات، قفس ہے، روشنی کا — اور سایہ ہے صیدِ چاندنی کا
ہو طیرِ سخن ہزار عنقا — کب فکر کے دام سے ہے بچتا

ہے دورِ حیات ایک زنداں
ہیں جس میں تمام پا بجولاں

(مسٹر آصف علی)

حُسن و عشق سے جنگ

(۲۰)

بتانِ بدخو کے حسنِ دلجو پہ دل کو شیدا نہ کیجئے گا — بُروں سے اچھا سلوک اگر کیجیگا اچھا نہ کیجئے گا
متاعِ دل اُنکی رُونمائی ہے اِنکا بیعانہ نقدِ جاں ہے — بہت ہی مہنگے پڑینگے بت بھول کر یہ سودا نہ کیجیگا
کسی کے دردِ طلب میں جینا ہی موت کا دردناک منظر — یہ زندگی ہے تو زندگی کی کبھی تمنا نہ کیجئے گا
اِدھر ہے ذوقِ تلاشِ جاناں ہیں دلکی ہٹ سے راج ہٹ سے بڑھکر — اُدھر تقاضائے عقل یہ ہے کہ دل کا کہنا نہ کیجئے گا
محبتِ جانگداز نے آہ دل کی دنیا تباہ کر دی — خدا جو توفیق دے تو دل میں یہ درد پیدا نہ کیجئے گا
زمانہ سازی ہی التفاتِ جمال بھی اس بلا سے بچئے — نظر نوازی پہ حُسنِ رنگین کی کچھ بھروسا نہ کیجئے گا
نیاز مندِ جمال ہو کر وبالِ انسانیت نہ بنئے — جو چھٹ پڑی ہی بہت جوانی تو اسکو رسوا نہ کیجئے گا
یہ تاجور خوب پالسی ہے اسی پہ سب کاربند رہئے — کہ سب سے دنیا چھڑائیے آپ ترکِ دنیا نہ کیجئے گا

(تاجور)

چارۂ ناچار

(۲۱)

اے اخترِ آسمانِ خوبی تاباں ہے فرازِ عرش پر تو
تنویر تیری محیطِ افلاک آفاق کا مرکزِ نظر تو

پایہ ہے ترا نہایت اُونچا کرسی ہے بہت بلند تیری
حدِ پرواز سے بھی اُوپر رفعت ہے ہزار چند تیری

المختصر آہ یہ کہ تجھ تک ممکن ہی نہیں مری رسائی
بیکار ہے جد و جہد اس میں بے سُود ہے قسمت آزمائی

پھر چھوڑ دُوں کیا خیال تیرا؟ یہ بھی نہیں آہ میرے بس میں
رگ رگ میں اثر ہے تیرا ساری شامل ہے تو میرے ہر نفس میں

ہاں دید کی گر ممانعت ہے میں اس کی سبیل کیا نکالوں
اک اسکے سوا کہ اے مری جاں پتلی تجھے آنکھ کی بنا لوں

پچھلی رات کا سنّاٹا

جب زمانے میں عمل ہوتا ہے پچھلی رات کا بے خبر سوتا ہے ذرّہ ذرّہ موجودات کا
ہوتی ہے سارے زمانے پر حکومت نیند کی زیر کر لیتی ہے دنیا بھر کو طاقت نیند کی
لیتے ہیں لطفِ نظارہ نیند کی وادی میں سب پہنچے ہوتے ہیں اسی خاموش آبادی میں سب
ہوتی ہے ساری خدائی دوشِ بر دوشِ سکوت شورشِ ہنگامۂ ہستی ہم آغوشِ سکوت
جنبشِ موجِ ہوا دیتی ہے پیغامِ سکُوں دوڑتے ہیں تارِ خاموشی میں احکامِ سکُوں

برف بن جاتا ہے جب آبِ رواں دریاؤں میں
اَور ہو جاتی ہیں ساکن آندھیاں صحراؤں میں

بند ہو جاتا ہے سطحِ بحر پر موجوں کا شور
دشت میں رہتا نہیں جنّات کی فوجوں کا شور

چرخ پر تاروں کی ہو جاتی ہے جب رفتار سُست
چلتی ہے جب نبضِ بیمارِ فراقِ یار سُست

جبکہ پڑ جاتی ہے مدھم گردشِ افلاک بھی
اُونگھتی ہے پے بہ پے نو بیوۂ غمناک بھی

طفلِ نوزائیدہ کی ماں کو خبر ہوتی نہیں
طبعِ شاعر کو تلاشِ شعرِ تر ہوتی نہیں

درد کے ماروں کو بھی مسحور کر دیتی ہے نیند
سوزشِ زخمِ جگر کا فور کر دیتی ہے نیند

کوئی پھرتا ہے بہ احوالِ پریشاں خواب میں
اَور کرتا ہے کوئی سیرِ پرستاں خواب میں

الغرض چاروں طرف کامل سکوں ہوتا ہے جب
منجمد خوابیدہ شریانوں میں خوں ہوتا ہے جب

آبِ ساکن آسمانِ نیلگوں ہوتا ہے جب
بے صدا ہنگامۂ دنیائے دُوں ہوتا ہے جب

ہوتا ہے جب شہر خاموشِ جہانِ زندگی
روئے عالم پر نہیں ملتا نشانِ زندگی

لیکے عین اس وقت اُٹھتا ہے خدا کا کام تو
یعنی پیارا جان سے رکھتا ہے اپنا کام تو

ملتوی کرتا ہے کل پر راحت و آرام تو
کھیت میں جاتا ہے پی کر چھاچھ کا اک جام تو

ہل چلاتا ہے وہاں اک رنگ میں گاتا ہوُا
گرد و پیش اپنے سرورِ کیف برساتا ہوُا

توڑ دیتی ہیں تری تانیں سکوتِ شب کا تار
بربطِ گیتی میں ہو جاتے ہیں نغمے بیقرار

گونجتی ہے دُور تک تیری صدائے خوشگوار
باغ میں آ وسنے پہ ٹیلوں سے پرے نالے کے پار

طاری ہو جاتا ہے عالم وجد کا چاروں طرف
اَور بندھ جاتی ہے مزا کی ہوا چاروں طرف

شامِ غربت

الوداع اے وقتِ مغرب کی شعاعِ آخری
انعقادِ بزمِ شب کی اطلاعِ آخری

ہوتی جاتی ہے ہم آغوشِ سوادِ شام تو
ہے مگر خو کردۂ تاریکئ ایام تو

یوں نہ برباد اے سبیلِ اجتماعِ جلوہ ہو
جانئ دنیا میں گرمِ اختراعِ جلوہ ہو

اُف! یہ جاں پرور خرامِ دلرُبا یا نہ ترا
دامنِ دشت و جبل پر رقصِ مستانہ ترا
رقص کرتی تو آ رہی ہے در و دیوار سے
رقص کے انداز پیدا ہیں تری رفتار سے
رقص میں ہیں جانور تیری ادائے رقص پر
رقص کرتے ہیں شجر تیری ہوائے رقص پر
اب کہ دونوں وقت آپس میں گلے ملنے کو ہیں
یعنی باہم صبح کے بچھڑے ہوئے ملنے کو ہیں
طائر اُڑنے کو پر پرواز پھیلانے لگے
اپنے اپنے آشیانوں کی طرف جانے لگے
قلبِ زارم را سپُردِ شامِ غربت کردہٗ
با ملالم آشنائے رنجِ قربت کردہٗ
چادرِ شب تان کر خورشید خاور سو چلا
وادی و کہسار و صحرا میں اندھیرا ہو چلا
چھا رہی ہے غم کی تاریکی دلِ صد پارہ پر
پھرتی جاتی ہے سیاہی دامنِ نظارہ پر
آہ! میں غربت نصیب اور یادِ یارانِ وطن
وہ مرے غمخوار میرے غمگسارانِ وطن
موجزن ہے جوشِ طوفاں بحرِ محسوسات میں
اِک تلاطم سا بپا ہے قلزمِ جذبات میں
میں ہوں اِک بے بہرۂ لُطفِ بہارِ زندگی
نذرِ غربت ہیں مرے لیل و نہارِ زندگی
زندگی نام آمد و رفتِ نفس کا ہے فقط
ورنہ جینے کا سہارا یہ تمنّا ہے فقط
کر سکوں غربت میں کوئی کارِ بہبودِ وطن
کاش کہ میرا زیاں ہو مثمرِ سُود وطن

اعترافِ محبّت

لوگ کہتے ہیں نظیرِ داغ و حالی ہے وفاؔ
عندلیبِ گلشنِ نازک خیالی ہے وفاؔ
دوست کرتے ہیں مری طبعِ رواں کا اعتراف
دشمنوں کو ہے مرے زورِ بیاں کا اعتراف
قائل اک عالم ہی میرے کِلکِ گوہر بار کا
غلغلہ ہے اک زمانے میں مرے اشعار کا
کاشفِ اسرارِ پنہاں نکتہ دانی ہے مری
آج مشہورِ جہاں شیوہ بیانی ہے مری
میں ہوں نخچیرِ خدنگِ جذبۂ حُبِّ وطن
میری نظموں میں ہے رنگِ جذبۂ حبِ وطن
میں تعمق آشنائے بحرِ بے پایانِ نظم
میرا دامن جلوہ زارِ گوہرِ غلطانِ نظم

فرقِ عالی میرا اوجِ افزائے دیہیم کمال　اور میں فرمانروائے ہفت اقلیمِ کمال
لیکن اے جلوہ فروزِ عالمِ انوارِ حُسن　اے جہاں تاب تحیّر اے تجلی زارِ حُسن
کسبِ ضو کرتا ہوں تیرے حُسنِ عالمگیر سے　عکس لیتا ہوں خیالوں کا تری تنویر سے
اُڑتا ہوں تیری ہوائے شوق میں افلاک پر　کرتا ہوں نغموں کی بارش ساکنانِ خاک پر
اے منوّر آفتابِ آسمانِ آرزو　تجھ سے پُر تنویر ہے میرا جہانِ آرزو
گر مجوشِ آرزو رکھتا ہے تیرا اشتیاق　تیرے شوقِ قرب میں ہوں میں سراپا اشتیاق
تیری عظمت درس دیتی ہے ثباتِ عہد کا　تجھ سے قائم ہے تسلسل میری جد و جہد کا
اپنی ہستی کو ترے قابل بنانا ہے مجھے　یعنی اپنے آپ کو اونچا اُٹھانا ہے مجھے
میں ہوں مصروفِ حصولِ این و آں تیرے لئے　جمع کرتا ہوں متاعِ دو جہاں تیرے لئے
تیری خوشنودی ہے میرا مدعائے زندگی　ہاں یہی مقصد ہے میرا رہنمائے زندگی

زندہ ہوں تیرے لئے اے رشکِ مہر و ماہ میں
آج کرتا ہوں تجھے اس راز سے آگاہ میں

(میلا رام وفاؔ)

شاعر کا ترانہ

نکہت کے ساتھ آوارہ ہوں (۲۲)　گلزارِ رنگ و بُو میں کبھی
سورج کی شعاعوں سے مل کر　بہتا ہوں آبِ جُو میں کبھی

رکھتا ہے تخیّل محو مجھے　ہر وقت نئے نظّاروں میں
اُڑتا ہوں کبھی اتنا اونچا　گُم ہو جاتا ہوں تاروں میں

لے آتے ہیں پستی کی طرف　جس وقت پرِ پرواز مجھے
پھر صاف سنائی دیتی ہے　دنیا کی ہر آواز مجھے

ماضی و حال کے گنبد میں
اک پُر تاثیر آوازہوں میں
سمجھے گا کوئی کیا مجھ کو
خود اپنے لئے بھی رازہوں میں

ہے قدرت کے سب جلوؤں میں
عکس رنگیں موجود میرا
وحدت کا عجائب خانہ ہے
ہر فکر لا محدود میرا

میرے نزدیک فنا کیا ہے
یہ بھی اک شکل ہستی ہے
میرے ہر سانس کے اندر اک
جذبات کی دنیا بستی ہے

سیکھے ہیں حسن پرستوں نے
آئین بے تابی مجھ سے
لیتا ہے سبق رنگینی کا
ہر اشک عنابی مجھ سے

فطرت کی سب تصویروں پر
ہوتا ہے صرف لہو میرا
فطرت کی بہار رنگیں ہوں
فطرت ہے رنگ و بو میرا

میرے گلزار کا ہر غنچہ
ہنستا ہے خزاں کی یورش پر
پھولوں میں شبنم چشمک زن
مہر تاباں کی یورش پر

اکثر تنہائی و عزلت میں
ہوتے ہیں بسر ایام میرے
اور گذرے ہوؤں کی صحبت میں
کٹتے ہیں صبح و شام میرے

اسرار ہستی کے پردے
خود ہٹ جاتے ہیں نگاہوں سے
جب ان کی شکلیں جھانکتی ہیں
ماضی کی خلوت گاہوں سے

(فاخر ہریانوی)

یادِ نشاط

(۲۳)

چمکی بجلی ، دل گھبرایا

یاد ابھی ہے دل میں تازہ — رونے پر آنکھیں آمادہ
غم کی بدلی خونیں بادہ — بہکی باتیں دل اُفتادہ

ہوا چلی اَور میں گرمایا

نئے دلوں کا عہد الفت — بے سمجھے بوجھے کی چاہت
چہرے پہ سرخی دل میں ہمّت — عیش کی مئے اَور لطف کی صحبت

کتنی جلدی پلٹی کایا

ہاتھوں میں کنگھی زردی مائل — آنکھوں کے ڈورے سرخی مائل
باتیں دل کی گرمی مائل — ہنسنے ہنسانے پر جی مائل

کس نے چھینی پیت کی مایا

باغ حسن کی وہ شادابی — گم گشتہ دل کی بے تابی
رنگ گلابی ساڑی آبی — چھوٹ رہی گھر میں مہتابی

آنکھ لڑی اَور میں لہرایا

وہ بھیگی برکھا کی راتیں — دبی ہنسی اَور دھیمی باتیں
دل کے ہاتھوں عقل کی ماتیں — یونہی کٹ گئیں دو برساتیں

لیکن میں نے چین نہ پایا

من کی موج ہری ہریالی — سر پر چھائی بدلی کالی
لطف میں جھومے پریم کی ڈالی — سامنے صورت بھولی بھالی

جس نے سارے جگ کو بھلایا

آج وہ گھر کا نور کہاں ہے — وہ چشم مخمور کہاں ہے
وہ جنت کی حور کہاں ہے — اپنا اوج طور کہاں ہے

وہ جس نے دل کو تڑپایا

بے خود ہے یہ قلبِ مضطر — کاش نہ ہوتا حسن کا خوگر
ٹوٹ گیا الفت کا ساغر — خاک ہوئے سب طبع کے جوہر
ثمرہ یہ الفت کا پایا

پھول وہی کھلتے ہیں چمن میں — ہوا وہی ٹھنڈی گلشن میں
دنیا ساری اُسی برن میں — لیکن آگ لگی ہے من میں
کس شعلہ نے دل کو جلایا

زخم دل کا پپیہا گھائل — موج سمندر چاند پہ مائل
رند اُسی مئے کا ہے سائل — مجھ میں تجھ میں دنیا حائل
دل میں اندھیرا سا ہے چھایا

غنچوں میں انداز نہیں وہ — شاما کی آواز نہیں وہ
راگ وہی ہے ساز نہیں وہ — ذہن کی اب پرواز نہیں وہ
غم نے تخیل کو جھلسایا

دل کی خوشی اب روح کا غم ہے — اس پر جینا اور ستم ہے
پیار محبت مثل سم ہے — دل اپنا صرف ماتم ہے
روح کو فرقت نے پگھلایا

چھوٹ گئے تم رنج و تعب سے — اس دنیا کے شور و شغب سے
خاموشی کی دھن تھی کب سے — پاس ہو میرے دور ہو سب سے
جان گنوائی تب سکھ پایا

زور پہ موجیں بہتا دریا — لہروں میں اک دیا ہے جلتا
نظریں کرتیں اس کا پیچھا — دل ہے اُسی دیئے میں اٹکا
عقل نے جس کا بھید نہ پایا

غم نے آنکھیں کھولیں میری — غم سے پائی من نے دلیری
غم نے چھانٹی دل کی اندھیری — اور بٹھائی مورت تیری
غم کو میں نے امرت پایا

غم کے نقش نہ ہوں گر دل پر — چمکے کیسے کندن بن کر

انسان رنج کا ہو کر خوگر ذرّے سے بنتا ہے خاور
غم ہے عظمت کا سرمایا

طیّب بس یہ یاد بُری ہے درد بھری فریاد بُری ہے
دل پر یہ بیداد بُری ہے جی کی یہ افتاد بُری ہے
کس نے نہ کھویا کس نے پایا

پیت کی بجلی دل میں چھپالے جس کو نہ پایا اب تک پالے
موت نہ ہرگز پردہ ڈالے اُنکے بیچ جو ہیں دل والے
جس نے ڈھونڈا اُس نے پایا

شام

پھر شام ہوئی سورج ڈوبا پھر دل میں عجب ہنگامہ ہے
پھر سوگ بھری مئے سے لبریز یہ فطرت کا پیمانہ ہے

مئے گرمئی بزم کی ختم ہوئی اب حسرت و یاس کی باری ہے
اک مستی بادۂ غم کی پھر ہر برگ و شجر پر طاری ہے

مغرب میں چھپالی قدرت نے وہ شمع جو تھی جانِ عالم
سناٹا دشت و کوہ میں ہے دریا میں ہے بجتا سازِ الم

اب سرخئ و رنگینئ شفق تاریکی سے بدلی جاتی ہے
اَور رات اندھیری چپکے سے دنیا پہ اُترتی آتی ہے

ہیں ابر کے ٹکڑے سوگ بھرے اَور رنگ شفق میں ماتم کا
افلاک پہ مستی چھائی ہے اَور راج ہے دھرتی پر غم کا

دن بھر کی چل پھر سے دنیا اب ڈوب گئی ہے پسینے میں
اک لہر ہے سُستی کی دوڑی ہر کوہ و کاہ کے سینے میں

اعمال میں فطرت کے دیکھو آرام بھی ہے اَور کام بھی ہے
اس کارگہ قدرت میں کہیں انسانوں کا سرسام بھی ہے

اشجار کو ہے اک چپ سی لگی خالی ہے ہوا پروانوں سے
یہ کونسا رنگِ فطرت ہے پوچھے کوئی اُوپر والوں سے
سنسان فضا ہے چپ ہیں بن دیواروں پہ سکتہ چھایا ہے
دریا کو عروج پستی ہے ساحل کو پسینہ آیا ہے
ہر چیز میں ہے سُستی سی بھری اشجار ہیں سوتے سر ڈالے
منزل پہ مسافر سستا کر ہے دیکھ رہا اپنے چھالے
چرواہوں کے پاؤں بھی بھاری ہیں وہ صبح کی تانیں بھُول گئے
جو بازو صبح کو تنتے تھے وہ سُستیٔ شام میں جھول گئے
ہر حرکت میں ٹھہراؤ سا ہے ہر چیز میں اک خاموشی ہے
ہر سمت خمارِ غم چھایا ہے دنیا پر مدہوشی ہے

ہر چیز میں ہے سُستی لیکن اک دل ہے میرا طوفان بھرا
کچھ سوچ ہے اسمیں کچھ اُلجھن کچھ حشر کا ہے سامان بھرا
اے شام مبارک ہو تجھ کو یہ دعوت جذبات مضطر
ہے چاہنے والا دنیا میں اک تیرا بھی با دیدۂ تر
سوتے ہوئے قلب کو آنا تیرا کوڑا ہے بیداری کا
اور تو نے اُٹھایا ہے بیڑا دنیا کی علم برداری کا
آتے ہی تیرے بھر جاتے ہیں قلب کے خالی پیمانے
جاگ اُٹھتی ہے یادِ خفتہ، جاگ اُٹھتے ہیں سب افسانے
تو آتی ہے یاں، سینے کا ہر داغ دیا بن جاتا ہے
اور سوزِ دروں سے طفلکِ دل رہ رہ کے پچھاڑیں کھاتا ہے
تو بجلی کوٹ کے بھر دیتی ہے ننھے سے پروانے میں
تو شمع جلا دیتی ہے دل کے سونے خلوت خانے میں
اے شام تجھے دنیا کیا جانے صبح سے تو بہتر ہے کہیں
وہ دل کو بھلا دیتی ہے احساس سے روشن تیری جبیں

واردئے الم کے متوالے آتے ہیں ترے میخانے میں
دیکھے کوئی عظمت تری آکر شاعر یا پروانے میں
یہ غارِ حرا کی منزل ہے یاں عارف ہی رہ سکتا ہے
جو بندۂ عشرت ہو وہ کب یہ زخمِ جگر سہ سکتا ہے
تو محرمِ رازِ خودی ہے اور آئینۂ ذہنِ گم گشتہ
ہنگام ہے تو خود بینی کا آگاہی قلب خود رفتہ
جب شام کے دھندلے پن میں دُنیا پر سناٹا رہتا ہے
تب کروٹ لے کر چپکے سے دل اپنی کہانی کہتا ہے
احساس خودی ہوتا ہے اجاگر شام کے سونے منظر میں
اور ہستی اپنی صاف نظر آتی ہے ذہن خود سر میں
اے شام بہارِ قلب ہے تو انسان کی عظمت تجھ سے ہے
باقی دلِ طیب میں ابتک احساس کی دولت تجھ سے ہے
تو جائزۂ ماضی لے کر تیاری صبح کی کرتی ہے
بھٹکے ہوئے لوگوں میں احساسِ ترقی پیدا کرتی ہے
تو ناظرِ قلب ناداں ہے اور کیف میں تیرے بیداری
دنیا پہ ہے چھایا رُعب ترا، منظر میں ہے تیرے خودداری
ہے رنگ قیامت کا سا تیرے منظرِ ماتم پوشی میں
ہنگامے صدہا پنہاں ہیں اے شام تیری خاموشی میں
گہرائی تری بے تھاہ ہے اور خاموشی تیری لاینحل
اے قاصدِ عالم بالا تو نے آکے مچادی اک ہل چل
خاموش ادا ہے حسن کی تو یا جاذب سوزِ محبت ہے
اے شام خدا را بتلا دے تو کس کی نگاہِ حسرت ہے
کیوں تو ہے سوگ میں یوں ڈوبی کیوں جوگ لیا کیوں چپ سی ہے
کیوں دنیا کے ہنگاموں کا خاموش تماشا کرتی ہے

ہم بھی تیری طرح زمانے میں ناواقف صبح مسرّت ہیں
کچھ بس نہیں چلتا ہے اپنا پابند اصولِ فطرت ہیں
ہم پستی کے باشندے ہیں تو ساکن عالمِ بالا ہے
گو ظلمت تیرا جوہر ہے پر فطرت تیری اعلےٰ ہے
ہم کو بھی دکھا دے راہ کوئی اک مطلعِ روشن بننے کی
اے شام کوئی ترکیب بتا مٹی سے کندن بننے کی

(غلام طیّب)

تیتری

(رقص وسکون کی دونوں حالتوں میں)

(۲۴)

یہ تیتری ہے یا کوئی رنگ پریدہ ہے! بوئے چکیدہ ہے
آغوشِ گل میں یا کوئی نقش دمیدہ ہے! عکس کشیدہ ہے
اُٹھے تو ایک بوسۂ رقصیدہ سامنے، پاشیدہ سامنے
بیٹھے تو ایک لذتِ خوابیدہ سامنے، دامن کشیدہ ہے
موج ہوا میں ہلکا سا طوفانِ رنگ و بُو، ہیجانِ رنگ و بُو
اوجِ فضا میں چھوٹا سا نیسانِ رنگ و بُو، جو صف کشیدہ ہے
رقصاں، حجاب ہے کسی رنگیں جمال کا، مستِ وصال کا
یا خلد کے کسی شفق آئین نہال کا، برگ چمیدہ ہے!
خو کردہ صدا نہیں اس کی نزاکتیں، اسکی لطافتیں!
خود اک لطیف نغمہ ہیں اس کی صباحتیں، جو ناشنیدہ ہے
اک عکس ہے جما ہوا رنگیں غبار کا، موجِ خمار کا
یا شاخسارِ گل پہ عروسِ بہار کا، حسن رسیدہ ہے
ساون کے چاند کی اسے پہلی کرن لکھوں، رنگیں بدن لکھوں

یا ملکۂ بہار کا اک پیرہن لکھوں، جو کچھ دریدہ ہے
ہلکی سی اک شعاع ہے طورِ کلیم پر، اوجِ نسیم پر
رقاصۂ بسنت کا فرشِ شمیم پر، رقص پریدہ ہے!
اس طرح ایک پھول سے لپٹی ہوئی ہے یہ، چپکی ہوئی ہے یہ
گویا اسی کی گود سے پیدا ہوئی ہے یہ، گل آفریدہ ہے!
اختر اسے شراب کی اک تھرتھری کہوں، ننھی پری کہوں
یا موسمِ بہار کی اک تیستری کہوں، جو آرمیدہ ہے!
اب آرمیدہ ہے!!

جوگن

(ہندوستان قدیم کی ایک موسیقانہ رات کا تصور)

دیکھو وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے
موسیقیٔ حزیں کے دریا بہا رہی ہے
غمگیں نوائیوں سے بیخود بنا رہی ہے
دنیا کے ہر اثر کو دل سے مٹا رہی ہے
سوئی ہوئی فضا کا شانہ ہلا رہی ہے
ہر جنبش زبان سے مردے جلا رہی ہے
بیدار کر رہی مدہوش گھاٹیوں کو
خوابیدہ ساحلوں کی نیندیں اڑا رہی ہے
ہر لرزشِ صبا میں طوفان امنڈ رہے ہیں
پنچم میں کیا رسیلی تانیں اڑا رہی ہے
دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے

اٹکھیلیوں کا سن ہی ہنس بولنے کے دن ہیں
لیکن نہ جانے کیوں وہ آنسو بہا رہی ہے
آئینہ رنگ سینہ کچھ کھل رہا ہے جس میں
دوشیزگی کی گنگا طوفان اٹھا رہی ہے
اک گیروانہ ساری میں ہے بدن چھپائے
یا ہلکی ہلکی بدلی سورج پہ چھا رہی ہے
اک بحرِ یاسمیں پر بل کھا رہی ہے ناگن
یا اس کی زلف مشکیں سینہ پہ آ رہی ہے
ہے اک ستارا اسکے آغوشِ نازنیں میں
وہ نازک انگلیوں سے جس کو بجا رہی ہے
دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

سبزہ پہ چاندنی کے بادل برس رہے ہیں
یا کوئی حور، بیٹھی، آنسو بہا رہی ہے
ہے موجزن فضا میں اک آبشار سیمیں
یا ملکۂ پرستاں موتی لٹا رہی ہے
اک گردِ مرمریں ہی چھائی ہوئی اُفق پر
جس کو ہوائے صحرا کوسوں اُڑا رہی ہے
اک موجِ گوہریں سی ہر پھول پر ہے رقصاں
نغمے کی بوئے رنگیں جس میں سما رہی ہے
یا دن کے مقبرہ پر دوشیزۂ شب آکر
گلہائے نور کی اک چادر چڑھا رہی ہے
دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

جنگل کے جانور کچھ بیٹھے ہیں اسکے آگے
رو رو کے جن کو اپنی بپتا سنا رہی ہے
خونخوار شیر بھی ہیں وحشی غزال بھی ہیں
لیکن وہ سب کے دل پر سکہ جما رہی ہے
کچھ سانپ جھومتے ہیں رہ رہ کے مست ہو کر
اک موج وجد پرور اُن کو نچا رہی ہے
طاؤس ناچتا ہے یوں بے قرار ہو کر
گویا ہر ایک پر میں بجلی سما رہی ہے
غمگیں نوائیوں نے ایسا سماں بندھا ہے
رو رو کے جیسے فطرت طوفاں اُٹھا رہی ہے
دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

یہ موہنی بنی ہے کس کی لگن میں جوگن؟
یہ سیل درد کس کے غم میں بہا رہی ہے؟
ہاں شائد اس کی ننھی معصوم آتما میں!
ہر کی پریم اگنی لو کے لگا رہی ہے!
ہر بن میں ہر نگر میں ہر گھر میں ہر ڈگر میں
پھر پھر کے اپنے دل کی چنتا مٹا رہی ہے
یا جگ کی آفتوں سے تنگ آ کے بن میں جا کر
پرماتما کو اپنا دکھڑا اُسنا رہی ہے
یا ہر کی جستجو میں، پیتم کی آرزو میں
کاشی سے آ رہی ہے متھرا کو جا رہی ہے
دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

اک آگ سی بھری ہے غمگین راگنی میں
دیپک سُنا سُنا کر تن من جلا رہی ہے
پردہ سا اُٹھ گیا ہے آنکھوں کے سامنے سے
کیا جانے کس جگہ کے جلوے دکھا رہی ہے؟
معمورِ غم نوائی ہے ہر کلی کا دامن
فیاض مُطربہ ہے نغمے لٹا رہی ہے
بتخانۂ جبیں میں سجدے مچل رہے ہیں
کافر ادا صنم ہے کافر بنا رہی ہے
کچھ سوز ہے بیاں میں کچھ درد داستاں میں
شعلے اُگل رہی ہے، چھریاں چلا رہی ہے
دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

اب نغمے سو گئے ہیں باجا بھی تھک چلا ہے
محشر اُٹھا چکی ہے، فتنے جگا رہی ہے

ایسی دبی صدا ہے گویا عروسِ نغمہ   منہ پھیر کر ہوا سے دامن چھڑا رہی ہے
یا کچھ غنودگی کے عالم میں مست کوئل   دھرتی کی گوپیوں کے دل گدگدا رہی ہے
کچھ کھل گیا ہو جیسے بادل کوئی برس کر   یا شمع جل جلا کر اب جھلملا رہی ہے
لو! وہ ستار کو بھی نیند آگئی بغل میں   لو! وہ ستار اُٹھا کر جنگل سے جا رہی ہے!
دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

میں تو مگر کچھ ایسا محسوس کر رہا ہوں   جیسے وہ ظالم ابتک ویسے ہی گا رہی ہے!
ابتک فضا پہ ہے وہ کھویا ہوا سا عالم   ابتک اُفق پہ یکسر مستی سی چھا رہی ہے!
ابتک اُٹھا رہا ہے ساز اس کا ابر نغمہ   ابتک زبان اُسکی بجلی گرا رہی ہے!
پھولوں سے ابتک اُسکے نغمے برس رہے ہیں   پتوں سے ابتک اُسکی آواز آ رہی ہے!
ابتک میں سر جھکائے حیرت زدہ کھڑا ہوں   ابتک وہی تجلی آنکھوں پہ چھا رہی ہے!
دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

(اختر شیرانی)

غزلیات

(۱)

کوفت سے جان لب پر آئی ہے　　ہم نے کیا چوٹ دل پہ کھائی ہے
لکھتے رقعہ لکھے گئے دفتر　　شوق نے بات کیا بڑھائی ہے
آرزو اس بلند بالا کی　　کیا بلا میرے سر پہ لائی ہے
دیدنی ہے شکستگی دل کی　　کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے
ہے تصنع کہ لعل ہیں وہ لب　　یعنی اک بات سی بنائی ہے
دل سے نزدیک اور اتنا دور　　کس سے اُس کو کچھ آشنائی ہے
بے ستوں کیا ہے کوہکن کیسا　　عشق کی زور آزمائی ہے
جس مرض میں کہ جان جاتی ہے　　دلبروں ہی کی وہ جدائی ہے
یاں ہوئے خاک سے برابر ہم　　واں وہی ناز خود نمائی ہے
ایسا موتے ہی زندہ جاوید　　رفتۂ یار تھا جب آئی ہے

مرگ مجنوں سے عقل گم ہے میر
کیا دوانے نے موت پائی ہے

ہے غزل میر یہ شفائی کی　　ہم نے بھی طبع آزمائی کی
اس کے ایفائے عہد تک نہ جیے　　عمر نے ہم سے بے وفائی کی
وصل کے دن کی آرزو ہی رہی　　شب نہ آخر ہوئی جدائی کی

اسی تقریب اس گلی میں رہے — منتیں ہیں شکستہ پائی کی
دل میں اس شوخ کے نہ کی تاثیر — آہ نے آہ نارسائی کی
کاسۂ چشم لے کے جوں نرگس — ہم نے دیدار کی گدائی کی

زور و زر کچھ نہ تھا تو بارے میر
کس بھروسے پہ آشنائی کی

فقیرانہ آئے صدا کر چلے — میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم — سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہیں — کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے — ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے
کوئی ناامیدانہ کرتے نگاہ — سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے
دکھائی دیے یوں کہ بے خود کیا — ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے
جھڑے پھول جس رنگ گلبن سے یوں — چمن میں جہاں کے ہم آ کر چلے
نہ دیکھا غم دوستاں شکر ہے — ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

میر

(۲)

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیوں کر ہو — کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیوں کر ہو
ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال — کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیوں کر ہو
ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے — حیا ہے اور یہی گومگو تو کیوں کر ہو
تمہیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا — بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیوں کر ہو
جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا — وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیوں کر ہو
ہمیں پھر ان سے امید اور انہیں ہماری قدر — ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیوں کر ہو
غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا — نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیوں کر ہو
بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر ہو مجھ کو قرار — یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیوں کر ہو

مجھے جنوں نہیں غالب ولے بقولِ حضور
فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیوں کر ہو

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سر گراں کیوں ہو

کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھیرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لئے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پہ مہرباں کیوں ہو

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل
گرمیِ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

غالب

(۳)

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسہ نہ کیجئے گا

یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجیے گا
ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی نہ جاننا اُس کو غیر ہرگز
جو اپنا سایہ بھی ہو تو اُس کو تصور اپنا نہ کیجیے گا
سنا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے طریقت میں کفر دعویٰ
یہ کہہ دو دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجیے گا
اسی میں ہے خیر حضرتِ دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہم کو
کرے وہ یاد۔ اس کی بھول کر بھی کبھی تمنا نہ کیجیے گا
کہے اگر تم کو کوئی واعظ! کہ کہتے کچھ اور کرتے ہو کچھ
زمانہ کی خو ہے نکتہ چینی کچھ اس کی پروا نہ کیجیے گا
کمال ہے منتہائے کمالی۔ نہیں ملاپ ان میں حرف گیرو!
جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجیے گا تو آپ بیجا نہ کیجیے گا
لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہد نہ درد الفت کی آگ زاہد
پھر اور کیا کیجیے گا آخر جو ترک دنیا نہ کیجیے گا

تمہارا تھا دوستدار حالی اور اپنے بیگانہ کا رضا جو
سلوک اس سے کئے یہ تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجیے گا

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں
ہے دورِ جامِ اوّلِ شب میں خودی سے دور
ہوتی ہے آج دیکھیے ہم کو سحر کہاں
یارب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر
تھا اس کو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں
اِک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں
کون و مکاں سے ہے دلِ وحشی کنارہ گیر
اس خانماں خراب نے ڈھونڈا ہے گھر کہاں
ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں
ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

حالی نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح ۔۔۔ لگا دو آگ کوئی آشیاں میں
کوئی دن بوالہوس بھی شاد ہو لیں ۔۔۔ دھرا کیا ہے اشارات نہاں میں
کہیں انجام آ پہنچا وفا کا ۔۔۔ کھلا جاتا ہے اب کے امتحاں میں
نیا ہے لیجیے جب نام اس کا ۔۔۔ بہت وسعت ہے میری داستاں میں
دل پر درد سے کچھ کام لوں گا ۔۔۔ اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں میں

بہت جی خوش ہوا حالی سے ملکر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

حالی

(۴)

چاہا جو میں نے ان سے طریق عمل پہ وعظ ۔۔۔ بولے کہ نظم ذیل کو ارقام کیجیے
پیدا ہوئے ہیں ہند میں اس عہد میں جو آپ ۔۔۔ خالق کا شکر کیجیے آرام کیجیے
بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم ۔۔۔ تحصیل ان کی بھی سحر و شام کیجیے
یورپ میں پھرئیے پیرس و لندن کو دیکھئے ۔۔۔ تحقیق ملک کاشغر و شام کیجیے
ہو جائیے طریقۂ مغرب پہ مطمئن ۔۔۔ خاطر سے محو خطرۂ انجام کیجیے
پیران بے فروغ کا گل ہو چکا چراغ ۔۔۔ ناحق نہ دل کو تابع اوہام کیجیے
رکھیئے نہ دل کو دیر و کلیسا سے منحرف ۔۔۔ متروک قید جامۂ احرام کیجیے
الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جائیے ۔۔۔ ہر ملت و طریق کا اکرام کیجیے
سب ہے جہاں میں وسعت مشرب سے نیکنام ۔۔۔ مجھ کو سلام ہندوؤں کو رام کیجیے
رکھیے نمود و شہرت و اعزاز پہ نظر ۔۔۔ دولت کو صرف کیجیے اور نام کیجیے
سامان جمع کیجیے کوٹھی بنائیے ۔۔۔ باصد خلوص دعوت حکام کیجیے
آرائشوں سے گھر کو مہذب بنائیے ۔۔۔ تزئین طاق و سقف و در و بام کیجیے
یاران ہم مذاق سے ہم بزم ہوجیے ۔۔۔ موقع ملے تو شغل مے و جام کیجیے
چشم و لب بتاں سے بھی غافل نہ ہوجیے ۔۔۔ تکمیل شوق پستہ و بادام کیجیے
نظارۂ چمن سے تر و تازہ رکھئے آنکھ ۔۔۔ تفریح پارک میں سحر و شام کیجیے
مذہب کا نام لیجیے عاقل نہ ہوجیے ۔۔۔ جو متفق نہ ہو اُسے بدنام کیجیے

زنجیر فقہ توڑیئے کہہ کر خلاف شرع
مضمون لکھیئے دعوئے الہام کیجئے

ممنوع ہے تعدد ازواج خاص کر
یوں گھوم پھر کے تفتیۂ عام کیجئے

قومی ترقیوں کے مشاغل بھی ہیں ضرور
اس مد میں بھی ضرور کوئی کام کیجئے

لڑکے نہ ہوں تو ہو نہیں سکتی چہل پہل
فکریں پئے وظیفہ و انعام کیجئے

تحصیل چندہ کیجئے لڑکوں کو بھیجکر
سارا علاقہ ہند کا اب خام کیجئے

بے رونقی سے کاٹئے کیوں اپنی عمر کو
کیوں انتظار گردش ایام کیجئے

جو چاہئے وہ کیجئے بس یہ ضرور ہے
ہر انجمن میں دعویٰ اسلام کیجئے

لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے
مردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجئے

کہیں دل ہوں کہیں میں باعثِ بیتابیٔ دل ہوں
کہیں اندازِ بسمل ہوں کہیں میں نازِ قاتل ہوں

کہیں تمکینِ خوبی ہوں کہیں ہنگامۂ الفت
کہیں رنگِ رُخِ گل ہوں کہیں شورِ عنادل ہوں

کہیں جلوہ ہوں صورت کا کہیں ہوں شاہدِ معنی
کہیں ہوں محمل لیلیٰ کہیں لیلائے محمل ہوں

کہیں عاشق کا مطلب ہوں کہیں معشوق کی خواہش
کہیں مجبورِ مطلق ہوں کہیں مختارِ کامل ہوں

کہیں ہوں شوقِ آزادی کہیں تدبیرِ پابندی
کہیں میں جوشِ سودا ہوں کہیں طوق و سلاسل ہوں

کہیں عمرِ دو روزہ ہوں کہیں ہوں آرزو دل کی
کہیں گھٹنے کے لائق ہوں کہیں بڑھنے کے قابل ہوں

کہیں جذبِ محبت ہوں کہیں دردِ دلِ عاشق
کہیں دل مجھ میں داخل ہے کہیں میں دل میں داخل ہوں

کہیں جوشِ اہلِ معنی کا کہیں ہوشِ اہلِ صورت کا
کہیں شورِ انا الحق ہوں کہیں دعوائے باطل ہوں

کہیں ہوں حسن کا ایما کہیں ہوں درد کی لذت
کہیں قاتل کی چتون ہوں کہیں چتون کا بسمل ہوں

کہیں ہوں صورتِ لیلیٰ کہیں حالِ دلِ مجنوں
کہیں چھپنے کے لائق ہوں کہیں کھلنے کے قابل ہوں

کہیں یاروں کی محفل میں کہیں ہنگامۂ دل میں
کہیں میں رندِ مشرب ہوں کہیں درویشِ کامل ہوں

کہیں تصویرِ حیرت ہوں کہیں محوِ پریشانی
کہیں ہوں شیفتہ رُخ کا کہیں زلفوں کا مائل ہوں

معاون ہوں کسی جا میں کہیں امداد کا طالب
کہیں خضرِ ہدایت ہوں کہیں گم کردہ منزل ہوں

کہیں ہوں گوہرِ مقصد کہیں دامن تمنا کا
کہیں ہمت کریموں کی کہیں امید سائل ہوں

کہیں ہوں ولولہ دل کا کہیں ہوں ضبط عاقل کا
روانی میں کہیں دریا کہیں رُکنے میں ساحل ہوں

یہ دریائے معانی جوش پر ہے دل میں اے اکبر

مگر ساکت ہوں جب تک آپ ہیں تنے کے قابل ہوں

بنائے ملت بگڑ رہی ہے، لبوں پہ ہے جان، مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا اُبھر رہے ہیں

اُدھر ہے قوم ضعیف و مسکیں اِدھر ہیں کچھ مرشدانِ خود بیں
یہ اپنی قسمت کو رو رہی ہے وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں

کٹی رگِ اتحادِ ملت رواں ہوئیں خونِ دل کی موجیں
ہم اُسکو سمجھے ہیں آبِ صافی نہا رہے ہیں نکھر رہے ہیں

قفس ہے کم ہمتی کا سیمیں پڑے ہیں کچھ دانہائے شیریں
اسی پہ مائل ہے طبع شاہیں نہ بال ہیں اب نہ پر رہے ہیں

صدائے الحاد اُٹھ رہی ہے خدا کی اب یاد اُٹھ رہی ہے
دلوں سے فریاد اُٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گزر رہے ہیں

جناب **اکبر** سے کوئی کہدے کہ لوگ بیٹھے ہیں ہر طرح کے
اِس انجمن میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا قہر کر رہے ہیں

یہ طفلِ ناداں غریقِ غفلت ہوا ہے ذلت میں تن رہے ہیں
سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائے جاتے ہیں بن رہے ہیں

بہار ہی سے نہیں ہیں واقف خزاں کے ظلموں کو کیا وہ سمجھیں
یہ داغ تو ہے اِنہیں کے دل پر جو محوِ رنگِ چمن رہے ہیں

نیا فلک ہے نئے ستارے یہ شوق سے کرتے ہیں نظارے
انہیں کو کچھ حس ہے گردشوں کا جو زیرِ چرخِ کہن رہے ہیں

یہ آخری صف میں آگئے ولے بہشت سمجھے ہیں اپنے تھالے
محلِ حسرت ہیں ان کے سینے جو زینتِ انجمن رہے ہیں

رہے ہیں جو برگِ و خس کے خوگر انہیں ہو کیوں خار آن کا منظر
نگاہ تو ہے انہیں کی مضطر جو مستِ سرو سمن رہے ہیں

اگرچہ لفظوں کی بدلیوں میں چھپا ہے معنی کا چاند **اکبر**
مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کی طرح چھن رہے ہیں

اکبر الٰہ آبادی

(۵)

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے
واں کنٹر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے
اس دور میں سب مٹ جائیں گے ہاں باقی وہ رہ جائیگا
جو قائم اپنی راہ پہ ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے
اے شیخ و برہمن سنتے ہو کیا اہلِ بصیرت کہتے ہیں؟
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے
یا باہم پیار کے جلسے تھے دستورِ محبت قائم تھا
یا بحث میں اردو ہندی ہے، یا قربانی یا جھٹکا ہے

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا
گذر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان میخانہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا
کبھی جو آوارۂ جنوں تھے، وہ بستیوں میں پھر آ بسیں گے
برہنہ پائی وہی رہیگی، مگر نیا خارزار ہوگا
سُنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر اُستوار ہوگا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا
کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیرِ میخانہ سن کے کہنے لگا کہ مُنہ پھٹ ہے خوار ہوگا
دیارِ مغرب کے رہنے والو! خُدا کی بستی دکاں نہیں ہے!
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہوگا

سفینۂ برگ گل بنائے گا قافلہ مور ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا
چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا
جو ایک تھا اے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہوگا؟
کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پا بہ گل ہیں
تو غنچے کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ رازدار ہوگا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا
یہ رسم بزم فنا ہے اے دل! گناہ ہے جنبش نظر بھی
رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہوگا
میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا
نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
تو اک نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثال شرار ہوگا

نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اس کی
کہیں سر رہ گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہوگا

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یا رب رہنے والے ہیں
علاج درد میں بھی درد کی لذت پہ مرتا ہوں
جو تھے چھالوں میں کانٹے نوک سوزن سے نکالے ہیں
پھلا پھولا رہے یا رب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں
رلاتی ہے مجھے راتوں کو خاموشی ستاروں کی
نرالا عشق ہے میرا نرالے میرے نالے ہیں
نہ پوچھو مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی
نشیمن سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں
نہیں بیگانگی اچھی رفیق راہ منزل سے
ٹھہر جا اے شرر ہم بھی تو آخر مٹنے والے ہیں
امید حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو
یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادے بھولے بھالے ہیں

مرے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھکو
مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ دردانگیز نالے ہیں

علامہ سراقبال

(۶)

روز و شب رویا کئے شام و سحر رویا کئے
رونے والے تیرے تجھکو عمر بھر رویا کئے

کچھ خبر ہے تجھ کو اے آسودۂ خواب لحد
شب جو تیری یاد میں ہم تاسحر رویا کئے

تیرے جیتے جی نہ جانی قدر تیری اے عزیز
اپنی اس تقدیر پر ہم کس قدر رویا کئے

جان محزون و دل پُرغم کی حالت کیا کہوں
یاد کچھ کرکرکے جو یا ہم دگر رویا کئے

برق کے مرنے کا حسرت واقعہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کئے

نشانۂ ستم بے حساب رہنے دے
خراب حال و فا کو خراب رہنے دے

نہ چھیڑ دیکھ انہیں محو خواب رہنے دے
خدا کے واسطے اے اضطراب رہنے دے

نقاب کا رُعبت ہل میں نہیں معلوم
کہ چین سے انہیں کب تک حجاب رہنے دے

ہزار عشق تری چشم نیم واپہ نثار
نہ ڈال مجھ پہ یہ افسون خواب رہنے دے

بڑے عذاب میں ہے جان میکشاں ساقی
نہیں شراب تو ذکر شراب رہنے دے

نہان شیب میں اے یار ہمنشیں مجھ سے
بیان قصۂ عہد شباب رہنے دے

تو اپنی سادگی حسن آئینے میں نہ دیکھ
یونہی ہے خوب اسے لاجواب رہنے دے

میں چاہتا تو بہت ہوں کہ چپ رہوں حسرت
یہ جب یہ خاطر بے صبر و تاب رہنے دے

حسرت

(۷)

تجھے مرحبا کہ دل نزار بحال زار و نزار ہے
تیرے دردِ عشق کو آفریں مری زندگی مجھے بار ہے

یہ لٹی ہوئی سی بہار کیوں ہے۔ کہاں وہ جان بہار ہے
یہ چمن سے کون چلا گیا۔ کہ کلی کلی کو فشار ہے

تمہیں بتکدۂ قفس ہے ۔ عزیز جاں مجھے ہم نفس
دلِ داغدار غمِ بہار میں یادگارِ بہار ہے

تمہیں جاں فروز بنا کے جس نے جہاں فروز بنا دیا
وہ فروغ بزمِ جمال کون ہے عشق نادرہ کار ہے

غمِ آشیاں مرے بال و پر کے قفس کو پھونک دے کہیں
یہ نوید مرگ ہے ہم قفس ! کہ چمن میں جوشِ بہار ہے

میں بہارِ عمر کو سوگوارِ بہار بن کے گذار دوں ؟
تیری یہ رضا ہے تو اس رضا پہ بہارِ عمر نثار ہے

نہیں اس میں شک کوئی تاجور کہ ترا پتہ تیرے کلام میں
مگر اس میں تیرا کمال کیا غمِ دوست درد نگار ہے

نہ طوافِ کعبہ کا عزم کر نہ جبیں کو نذرِ صنم بنا !
ترا دل ہے دیر و حرم اسی کو حریفِ دیر و حرم بنا !

یہ انتقامِ ستمگری کہ ستم پذیر نہ بن کبھی !
جو مٹے تو پیکرِ پائمال کو یادگارِ ستم بنا !

تری قوم ہے تری آبرو اسی آبرو کو تلاش کر !
کبھی "تو" سے "آپ" بھی بن ہی جائیگا پہلے میں کو تو ہم بنا

ترے دل کا جام سفال جامِ جہاں نما ہے ترے لئے !
اسے اپنا ساغرِ جم سمجھ اسے اپنا ساغرِ جم بنا !

مٹے دیر و کعبہ کی کشمکش، یہی شیخ کعبہ تو کام کر !
کہ صنمکدہ کے پجاریوں کو شریکِ بزمِ حرم بنا !

تاجور

رباعیات

جو دم ہے مثلِ سحر گاہی ہے　　جو شخص ہے یاں سوئے عدم راہی ہے
بڑھتا نہ کبھی قافلے کے پیچھے انیسؔ　　اے عمر دراز تیری کوتاہی ہے

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو　　آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
ہے قرب رگِ جان سے اس پر یہ بُعد　　اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے　　پیری میں بشکل نوجوان پھرتا ہے
عرصہ ہے جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر　　خم ہو کے زمین پہ آسمان پھرتا ہے

ہے مثل حباب بحر ہستی میں حیات　　بیفائدہ غفلت میں بسر کی اوقات
ایسا تو سفر اور ہیں ہم خالی ہاتھ　　کیونکر کف افسوس نہ ملئے ہیہات

گذرے ہر دم مرا ارادت میں تری　　گردن جھکی رہے عبادت میں تری
یا رب مجھے طول عمر دے تو لیکن　　وہ عمر جو کام آئے اطاعت میں تری

ادبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے　　جاگو جاگو کہ خوف اسی راہ میں ہے
اٹھو اٹھو یہ خواب غفلت کب تک　　دیکھو دیکھو اجل کمینگاہ میں ہے

یہ حرص لے کے جابجا پھرتی ہے　　پھرتے ہیں جدھر ساتھ قضا پھرتی ہے
فریاد کناں برائے ہر دانۂ رزق　　یوں پھرتے ہیں جس طرح آسیا پھرتی ہے

انسان ہی کچھ دور ہیں پامال نہیں — سچ ہے کوئی آسودہ و خوشحال نہیں
اندیشۂ آشیان و خوف صیاد — مرغان چمن بھی فارغ البال نہیں

اب خواب سے چونک وقت بیدار رہے — بے زادِ سفر کوچ کی تیاری ہے
مر مر کے پہنچتے ہیں مسافر واں تک — یہ قبر کی منزل بھی بہت بھاری ہے

ہموار ہے گر تو تجھ کو کچھ باک نہیں — سرکش ہے اگر تو عقل و ادراک نہیں
پاتا نہیں تند خو کدورت کے سوا — دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں

راہی طرف عالم بالا ہوں میں — دنیا سے عدم کو جانیوالا ہوں میں
یارب تیرا نام پاک جپنے کے لئے — گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے — رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر — میں نے بھی تو جان دیکے پایا ہے تجھے

کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے — کب تھمتے ہیں اشک جو ہیں ڈھلنے والے
اللہ رے سخن کی تیری تاثیر انیس — رو دیتے ہیں مثل شمع جلنے والے

ہشیار کہ وقت ساز و برگ آیا ہے — ہنگام یخ و برف و تگرگ آیا ہے
محتاج عصا ہوئے تو پیری نے کہا — چلئے اب چوبدار مرگ آیا ہے

نا فہم سے کب داد سخن لیتا ہوں — دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوئے دوستان یکرنگ — کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

رتبہ جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے — وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے

کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے
جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے
نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہیں
دنداں صف بستہ ہیں زباں کے آگے

جس شخص کو عقبیٰ کی طلبگاری ہے
دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
اک آنکھ میں کس طرح سمائیں دونوں
غافل! یہ خواب ہے وہ بیداری ہے

ہر برگ سے قدرت احد پیدا ہے
ہر پھول سے صنعت صمد پیدا ہے
سینہ ہے بشر کا وہ محیط زخّار
ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے

ہے مملکتِ جسم میں شاہی دل کی
کچھ تو نے نہ دوستی نباہی دل کی
بعد اسکے دھلائے مو سپیدی کرنا
پہلے دھو لے ذرا سیاہی دل کی

کس بات میں کید کس میں تزویر نہیں
جز حرفِ غلط زباں پہ تقریر نہیں
اس عہد میں راستی کا کیونکر ہو رواج
مسطر کج ہے قلم کی تقصیر نہیں

جو شے ہے فنا اُسے بقا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب
غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

بلبل رسال آپ کے خوش بیانی سیکھے
انداز فغاں مجھ سے فغانی سیکھے
رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ابر
دریا مرے اشکوں کی روانی سیکھے

دنیا دریا ہے اور ہوس طوفان ہے
مانند حباب ہستی انسان ہے
لنگر ہے جو دل تو ہر نفس باد مراد
سینہ کشتی ہے ناخدا ایمان ہے

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے　　بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا　　جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

وہ موجِ حوادث کا تھپیڑا نہ رہا　　کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی کے انیسؔ　　جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

جس دم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا　　یارو کیا ہی مقامِ حسرت ہوگا
کوئی عملِ نیک نہ ہوگا جز یاس　　آخر کو وہی رفیقِ تربت ہوگا

انیس

---

(۲)

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف　　یثرب کو ملا تیری اقامت سے شرف
اولاد ہی کو فخر نہیں کچھ تجھ پر　　آبا کو بھی ہے تیری ابوت سے شرف

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بیر کریں　　شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دنیا　　وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

بلبل نے چمن میں ہمزبانی چھوڑی　　بزمِ شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دلِ زندہ تو نے ہم کو چھوڑا　　ہم نے بھی تیری رام کہانی چھوڑی

خوش رہتے ہیں دکھ میں کامرانوں کی طرح　　ہیں ضعف سے اڑتے پہلوانوں کی طرح
دل ان کے ہیں ظرف انکے جو کرتے ہیں تہی　　ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت　　ہوں نیکیوں پہ اپنے نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اک بدی ہے گر ہو نہ خلوص　　نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دور بہت

زاہد کہتا تھا جان ہے دین پر قربان — پر آیا جب امتحان کی زد پہ ایمان
کی عرض کسی نے کیجئے اب کیا ہے صلاح — فرمایا کہ بھائی جانؐ جان ہی تو جہانؐ

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا — یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے پہ اتنی ہے خبر — اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

نیکوں کو نہ ٹھہرائیو بد اے فرزند — اک آدھ ادا اُن کی اگر ہو نہ پسند
کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں — ہوں اس میں اگر گلے سڑے دانے چند

تا زیست وہ محوِ نقش موہوم رہے — جو طالب دوستان معصوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے — صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے

ہو بادہ کشی پر نہ جوانو مفتون — گردن پہ نہ لو عقل خداداد کا خون
خود عہد شباب اِک جنوں ہے اب تم — کرتے ہو فزوں جنون پہ اک اور جنون

ممکن نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دور — پر عیب سے بچیئے تا بمقدور ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار رہو — گھٹنے سے کہیں اُن کے نہ بڑھ جائے غرور

جو کرتے ہیں کچھ زبان سے کہتے ہیں وہ کم — ہوتے نہیں [illegible] دم اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسنِ گفتار — بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

ممکن ہے کہ جوہری کی نہ ہو قدر کہیں — پر قدر کہیں بغیر جوہر کے نہیں
عنبر کو نہ لیں مفت یہ امکان ہے مگر — عنبر کی جگہ نہ لے گا کوئی سرگین

ہوں یا نہ ہوں پیر اہلِ عرفان و یقین — پر ڈر ہے کہ طالب نہ ہو ناداں کہیں

گاہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی ۔ اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہیں

ہیں جہل میں سب عالم و جاہل ہمسر ۔ آتا نہیں فرق اُسکے سوا ان میں نظر
عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا ۔ جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنے خبر

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر ۔ یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنسکر
باقی نہ رہیگا کوئی انسان میں عیب ۔ ہو جائینگے چھل چھلا کے سب عیب ہنر

اک منعم مسرف نے یہ عابد سے کہا ۔ کر میرے لئے حق سے فراغت کی دُعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوے چرخ ۔ محتاج کر اسکو جلد اے بار خدا

یاں رہنے کی مہلت کوئی کب پاتا ہے ۔ آتا ہے اگر آج تو کل جاتا ہے
جو کرنے ہیں کام اُن کو جلدی بھگتاؤ ۔ طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

ہے نفس میں انسان کے جبلی یہ مرض ۔ ہر سعی پہ ہوتا ہے طلبگار عوض
جو خاص خدا کے لئے تھے کام کئے ۔ دیکھا تو نہاں اُن میں بھی تھی کوئی غرض

بس بس کے ہزاروں گھر اجڑ جاتے ہیں ۔ گڑ گڑ کے علم لاکھوں اکھڑ جاتے ہیں
آج اس کی ہے نوبت تو کل اسکی باری ۔ بن بن کے یونہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

حالی کو جو کل افسردہ خاطر پایا ۔ پوچھا باعث تو ہنس کے یہ فرمایا
رکھو نہ اب اگلی صحبتوں کی امید ۔ وہ وقت گئے اب اور موسم آیا

دنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو ۔ روداد جہاں کو اک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا ۔ ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو

حالی

(۳)

کیا تم سے کہیں جہاں کیسا پایا   غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا
آنکھیں تو بیشمار دیکھیں لیکن   کم تھیں بخدا کہ جن کو بینا پایا

اونچا نیت کا اپنی زینہ رکھنا   احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا
غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر   لیکن ہے شدید عیب کینہ رکھنا

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا   افعال مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
اکبر نے سنا ہے اہل غیرت سے یہی   جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

رسوا وہ ہوا جو مست پیمانہ ہوا   لپکا جو سوئے پردہ دیوانہ ہوا
انگلینڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست   محروم اُدھر اِدھر سے بیگانہ ہوا

کہنے کو تو شاہ سب ہیں مہراج ہیں سب   مالک و دولت کے تاج ہیں سب
لیکن کھولو جو چشم تحقیق اکبر . . .   بے بس ہیں سب خدا کے محتاج ہیں سب

پیری آئی ہوئی جوانی رخصت   ساتھ اُس کے وہ لطف زندگانی رخصت
ہے اب تو اسی کا انتظار اے اکبر   ہمکو بھی کرے جہانِ فانی رخصت

منکر ہیں جو یہ روح کے اہل غرور   اک امر ہے پوچھنا ہمیں اُن سے ضرور
ہے فہم و خرد کا تمکو دعویٰ یہ کہو   پیدا ہوا مادے میں کیونکر یہ شعور

ہو علم اگر نصیب تو تعلیم بھی کر   دولت جو ملے اُسے تقسیم بھی کر
اللہ عطا کرے جو عظمت تجھکو   جو اہل ہیں اُسکے اُن کی تعظیم بھی کر

یہ تھی غلطی دیا جو معبود کو چھوڑ   اصلاح یہ ہے نمود بے سود کو چھوڑ
بزم ملت کا عافیت جو ہے اگر   اللہ کے آگے جھک اچھل کود کو چھوڑ

کہدو کہ میں خوش ہوں رکھوں گر آپکو خوش   بجلی چمکاؤں اور کردوں بھاپکو خوش
سیکھوں ہر علم و فن مگر فرض یہ ہے   ہر حال میں رکھوں اپنے ماں باپکو خوش

غالب انسان پہ خود پسندی ہے فقط — مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط
ہر ذرہ دہر سے یہ آتی ہے صدا — نعمت ہے اگر تو عقلمندی ہے فقط

بے غیرت و خود فروش و جاہل سے نہ مل — حق سے جو ہو غافل ایسے غافل سے نہ مل
یکجا کردیں حوادث دہر اگر — جائز ہے کہ اُن سے مل مگر دل سے نہ مل

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم — گویا کہ شمیں بہت ہیں اور روز ہیں کم
ہر چرب زبان نہیں ہے شمع اخلاص — جلنے والے بہت ہیں دلسوز ہیں کم

اردو میں جو سب شریک ہونیکے نہیں — اس ملک کے کام ٹھیک ہونیکے نہیں
ممکن نہیں شیخ امراء القیس بنیں — پنڈت جی والمیک ہونیکے نہیں

خاطر مضبوط دل توانا رکھو — امید اچھی خیال اچھا رکھو
ہو جائینگی مشکلیں تمہاری آسان — اکبر اللہ پر بھروسہ رکھو

اعمال کے حسن سے سنورنا سیکھو — اللہ سے نیک امید کرنا سیکھو
مرنے سے مفر نہیں ہے جب اے اکبر — بہتر ہے یہی خوشی سے مرنا سیکھو

بھولتا جاتا ہے یورپ آسمانی باپ کو — بس خدا سمجھا اس نے برق کو اور بھاپ کو
برق گر جائے گی اک دن اور اڑ جائیگی بھاپ — دیکھنا اکبر بچائے رکھنا اپنے آپ کو

حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو — باتیں جو بری ہیں اُن سے پرہیز کرو
قومی عزت ہے نیکیوں سے اکبر — اس میں کیا ہے کہ نقل انگریز کرو

کہتا ہوں میں ہندو مسلمان سے یہی — اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاٹھی ہے ہوائے دہر پانی بنجاؤ — موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

خوب فرمایا یہ شاہ جرمنی نے پوپ سے — وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن وہاں توپ ہے
جد امجد خود میں کرتے تھے یہ موسم بسر — ہمکو اپنے عہد میں پالا پڑا کنٹوپ سے

خواہان نوکری نہ رہیں طالبان علم — قائم ہوئی ہے رائے یہ اہل شعور کی
کالج میں دھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی — عہدوں سے آ رہی ہے صدا دور دور کی

دیکھئے قوال بیچارے کا اب کیا حشر ہو — شیخ صاحب کو تو لکچر پر بھی وجد آنے لگا
کیوں کریگا پیش ہم پر جلوۂ دار بہشت — جب کہ تھیٹر کا سماں واعظ کو تڑپانے لگا

پرچہ رکھا جو اس نے میں یہ سمجھا — پاکٹ میں یہ بیس روپیہ کا نوٹ گیا
گھر پر کھولا تو بس یہی لکھا تھا — کیا شعر تھے واہ واہ میں لوٹ گیا

یورپ والے جو چاہیں دلوں میں بھر دیں — جسکے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبر — تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

اکبر

لذت چاہو تو وصل معشوق کہاں — شوکت چاہو تو زر کا صندوق کہاں
کہتا ہے دل کہ خودکشی کی ٹھہری — خیر اسکو بھی مان لیں تو بندوق کہاں

آلودۂ معصیت ہے دامن میرا — جل جانیکا مستحق ہے خرمن میرا
بیکار ہے شکوہ اہل دنیا کارواں — بڑھکر نہیں کوئی مجھ سے دشمن میرا

افلاس اچھا نہ فکر دولت اچھی — جو دلکو پسند ہو وہ حالت اچھی
جس سے اصلاح نفس ناممکن ہو — اس عیش سے ہر طرح مصیبت اچھی

ہے چشم حواس کور آفت یہ ہے — ہم راہ روؤں کو رنج غربت یہ ہے

آتے ہیں کہاں سے اور جانا ہے کہاں ‏ اس کی بھی خبر نہیں مصیبت یہ ہے

انسان ایسا بھی کور و غافل کیا ہو ‏ محدود نظر ہو، ہر طرف پردا ہو
یہ دورِ حیات خوابِ غفلت ہے رطل ‏ بیدار ہوں ہم تو دیدۂ دل وا ہو

اپنے ساقی سے کل یہ پوچھا میں نے ‏ کتنے میخوار تشنہ لب آتے ہیں
بولا کہ مقدرات ہیں ساغر و مے ‏ آئینگی اگر کہو تو سب آتے ہیں

کیا تم سے بتائیں عمرِ فانی کیا تھی ‏ بچپن کیا چیز تھا، جوانی کیا تھی
یہ گل کی مہک تھی وہ ہوا کا جھونکا ‏ اک موجِ فنا تھی زندگانی کیا تھی

اُف باغِ امید کے نمو کی تاثیر ‏ پتی پتی کے رنگ و بو کی تاثیر
کانٹوں میں بھی دلکشی ہے پھولوں کی سی ‏ اللہ رے فریبِ آرزو کی تاثیر

گر رنگ نہیں تو سطحِ دریا بھی نہیں ‏ جوہر جو نہیں تو محض دھوکا بھی نہیں
یہ تو نہیں کہتے ہم کہ عالم کیا ہے ‏ لیکن جو سمجھ رہے ہیں ایسا بھی نہیں

پابندیٔ ذوقِ اہلِ دل کیا معنی ‏ دلچسپیٔ جنسِ مضمحل کیا معنی
اے ناظمِ کائنات کچھ تو بتلا ‏ آخر یہ طلسمِ آب و گل کیا معنی

اس دارِ فنا میں مقصدِ دل کیا ہے ‏ منشائے نمودِ حق و باطل کیا ہے
جب قلب کو ایکدم بھی راحت نہ ملی ‏ آخر اس زندگی کا حاصل کیا ہے

کیوں تیشۂ باغبان سے دل مضطر ہو ‏ شاید یہ قلم ہی نخل بار آور ہو
مقراضِ اجل ہے قاطعِ شاخِ حیات ‏ ممکن ہے اسی میں لالۂ جاں مضمر ہو

اپنی عظمت کی آرزو سب کو ہے — اگلی حالت کی آرزو سب کو ہے
تفریق غنا ہے سب ایک دھوکا ہے لیکن — کھوئی دولت کی آرزو سب کو ہے

اسباب جہاں سے دلکو بہلائیں ہم — اسطرح کا دل بھلا کہاں پائیں ہم
ت میں بھی حیف دل کو بیتاب ہے وہی — اب اپنے سے بھاگ کر کہاں جائیں ہم

دریا جو نہیں فضائے بالا بھی نہیں — ذرہ جو نہیں تو کوہ و صحرا بھی نہیں
اے ہستی بینوا پہ ہنسنے والے — قطرہ جو نہیں تو موج دریا بھی نہیں

تاراج ہمیں عقل کا کئے دیتی ہے — آزادی دل فنا کئے دیتی ہے
تہذیب کی عظمتوں سے باز آئے ہم — فطرت سے ہمیں جدا کئے دیتی ہے

روان

{مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام بابو رلیا رام پرنٹر چھپا}